ہفت روزہ
ندائے خلافت
لاہور
۲۴ ستمبر ۱۹۹۲ء

☆ سفر ترکی کے مشاہدات و تاثرات
☆ بہاولپور سازش کو حادثہ بہاولپور کا نام کیوں دیا گیا؟
☆ سیاست کے پرانے انداز کا نیا استعمال!

حال ہی میں ۲۹ر جولائی سے ۵ر اگست تک' اللہ کے فضل و کرم سے اس شہر میں قیام کا موقع نصیب ہوا جو پورے چار سو سال تک عالم اسلام کا "دار الخلافہ" یعنی خلافتِ اسلامی کا صدر مقام رہا تھا اور جس کے بارے میں علامہ اقبال نے فرمایا ہے کہ ؎

صورتِ خاکِ حرم یہ سرزمیں بھی پاک ہے　　آستانِ مسند آرائے شہِ لولاک ہے

اور یہ بھی کہ ؎

نکہتِ گل کی طرح پاکیزہ ہے اس کی ہوا　　تربتِ ایوب انصاریؓ سے آتی ہے صدا
اے مسلماں ملتِ اسلام کا دل ہے یہ شہر　　سینکڑوں صدیوں کے کشت و خوں کا حاصل ہے یہ شہر!

اس شہر کا موجودہ نام استنبول ہے جو اسلا ہول کی بدلی ہوئی صورت ہے' لیکن قدیم تاریخی نام قسطنطنیہ تھا اور اسے حدیثِ نبویؐ میں "مدینۂ قیصر" سے تعبیر کیا گیا۔

دو سال قبل علامہ اقبال کے الفاظ میں "تہذیبِ حجازی کے مزار" یعنی ہسپانیہ اور اس کے اہم شہروں غرناطہ اور قرطبہ کی زیارت کا موقع بھی ملا تھا اور عجیب اتفاق ہے کہ استنبول کی طرح ہسپانیہ کی سرزمین اور خاص طور پر قرطبہ کی جامع مسجد کو بھی اقبالؒ نے "حرم مرتبت" قرار دیا ہے چنانچہ ہسپانیہ کے بارے میں بالعموم بھی یہ فرمایا ہے کہ ؎

ہسپانیہ تو خونِ مسلماں کا امیں ہے　　مانندِ حرم پاک ہے تو میری نظر میں!

اور مسجد قرطبہ کو تو "حرمِ قرطبہ" کے الفاظ سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ ؎

کعبۂ اربابِ فن' سطوتِ دینِ مبیں　　تجھ سے حرم مرتبت اندلسیوں کی زمیں!

راقم نے اس سال استنبول دیکھ لیا' اور دو سال قبل قرطبہ و غرناطہ بھی دیکھ لئے تھے' لیکن واقعہ یہ ہے کہ "تسکینِ مسافر نہ سفر میں نہ حضر میں" کے مصداق دونوں بار دل میں غم و اندوہ کا بھاری بوجھ لئے ہوئے ہی لوٹنا ہوا۔

("نوائے وقت" میں ڈاکٹر اسرار احمد کے کالم "تفکر و تذکر" سے ماخوذ)

افسر شاہی
— بنام —
سرکار

لاہور (نیوز رپورٹر سے) لاہور ہائی کورٹ کے مسٹر جسٹس راجہ افراسیاب خان نے محکمہ امداد باہمی کی سابق صوبائی رجسٹرار سروش سلطان کی ایک رٹ پٹیشن باقاعدہ سماعت کے لئے منظور کرلی ہے۔ وفاقی حکومت اور چیف سیکرٹری پنجاب کو نوٹس جاری کرتے ہوئے ہدایت کی ہے کہ اس نوٹس کے پیش نظر درخواست دہندہ کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی جائے گی۔ کونٹیسٹنز کے حلف نامے کے جواب میں جوابی حلف نامہ داخل کیا جائے۔ وزیراعلیٰ پنجاب غلام حیدر وائیں وفاقی حکومت بذریعہ سیکرٹری اسٹیبلشمنٹ اور پنجاب کے چیف سیکرٹری کے خلاف دائر اس رٹ میں الزام لگایا گیا ہے کہ مدعا علیہ نمبر ایک غلام حیدر وائیں جو کہ وزیراعلیٰ پنجاب ہیں ذاتی رنجش اور انتقام کی بناء پر درخواست دہندہ کے خلاف معاندانہ کارروائیاں کررہے ہیں۔ درخواست دہندہ کو رجسٹرار کے عہدہ سے ہٹا کر اس کے خلاف ایک فرد جرم عائد کردی گئی اور چیف سیکرٹری پنجاب کو اس کی تحقیقات کے لئے انکوائری افسر مقرر کردیا گیا ہے۔ رٹ کے مطابق انکوائری افسر کی طرف سے درخواست دہندہ کو ضروری دستاویزات اور صفائی کا موقعہ دینے سے انکار کردیا گیا۔ اسے سنگین نتائج کی دھمکیاں مل رہی ہیں۔ درخواست دہندہ نے موقف اختیار کیا ہے کہ اس کا شوہر صوبائی وزیر ہے۔ اس صورتحال سے اس کی ازدواجی زندگی اور شوہر کا سیاسی کیریئر خطرے میں ہے۔ ۲۰ صفحات پر مشتمل رٹ میں صوبائی وزیراعلیٰ کے خلاف سنگین الزامات لگائے گئے ہیں اور کہا گیا کہ درخواست دہندہ کے خلاف یہ کارروائی اس لئے کی جارہی ہے کہ اس نے سروسز کوآپریٹو سوسائٹی کے چیئرمین ذوالفقار احمد اعوان ایم پی اے کے خلاف سوسائٹی میں ہونے والی متعدد بے ضابطگیوں کے بارے میں نوٹس لیا تھا۔ رجسٹرار کی حیثیت سے اس کے خلاف رپورٹیں تیار کی تھیں۔ درخواست دہندہ کے مطابق ذوالفقار اعوان نے نہ صرف صوبائی اسمبلی کی اپنی الیکشن مہم بلکہ وزیراعلیٰ غلام حیدر وائیں کی انتخابی مہم کے لئے سروسز کوآپریٹو سوسائٹیز کے بھاری مالیت کے فنڈز استعمال کئے۔ مزید یہ کہ ذوالفقار احمد اعوان مدعا علیہ نمبر ایک (وزیراعلیٰ پنجاب) کا گہرا دوست ہے۔

اس نے ذوالفقار اعوان کے خلاف کارروائی پر مشتعل ہو کر درخواست دہندہ کے خلاف کارروائیاں شروع کردی ہیں۔ درخواست دہندہ کے تبادلے۔ اس کے خلاف فرد جرم اور تحقیقاتی کارروائیوں کو خلاف قانون اور غیر موثر قرار دیا جائے۔ سروش سلطان جو کہ اس وقت ایڈیشنل سیکرٹری او اینڈ ایم ونگ میں فرائض انجام دے رہی ہیں نے اپنی رٹ میں کہا ہے کہ میں گریڈ ۱۹ کی سرکاری ملازم ہوں۔ میری خدمات وفاقی حکومت نے پنجاب حکومت کو مستعار دے رکھی ہیں۔ جب میں رجسٹرار کوآپریٹو سوسائٹیز تھی تو میرے پاس متعدد کوآپریٹو سوسائٹیوں کے بارے میں فنڈز کے خورد برد اور غبن کی بہت سی شکایات آتی تھیں۔ ان پر میں نے فوری تحقیقات اور آڈٹ کے احکام جاری کئے جس کے دوران انکشاف ہوا کہ صرف سروسز کوآپریٹو کریڈیٹ کارپوریشن کے ذریعے عوام کو ۲۰۰ کروڑ یعنی ۲ ارب روپے سے زائد نقصان پہنچ چکا ہے۔ درخواست دہندہ نے اس بارے میں سابق وزیراعلیٰ کو تحریری رپورٹس بھیجیں جو آن ریکارڈ ہیں۔ اس سلسلہ میں ۲۲ مارچ ۹۰ء اور ۵ اگست ۹۰ کی رپورٹوں کا حوالہ دیا گیا ہے۔ سروش سلطان کی رٹ میں مزید کہا گیا ہے کہ اگست ۹۰ء میں غلام حیدر وائیں نے نگران وزیراعلیٰ کا عہدہ سنبھالا۔ بعد میں وہ مستقل وزیراعلیٰ بن گئے۔ درخواست دہندہ نے انہیں دسمبر ۹۰ء میں سروسز کوآپریٹو کریڈیٹ سوسائٹی میں ہونے والی وسیع پیمانے پر گڑبڑ کی تفصیلی رپورٹیں بھیجیں۔ درخواست میں کہا گیا ہے کہ سروسز کوآپریٹو سوسائٹی ذوالفقار اعوان کی ملکیت ہے جو حکمران آئی جے آئی پارٹی کا ایم پی اے اور وزیراعلیٰ پنجاب کا قریبی دوست اور مددگار ہے۔

درخواست میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ ۱۹۹۰ء کے انتخابات میں ذوالفقار اعوان نے اپنی سوسائٹی کے ذریعے آئی جے آئی کو انتخابات کے لئے سب سے زیادہ مالی امداد دی۔ اس سوسائٹی کے فنڈز کے لاکھوں روپے ذوالفقار اعوان کی ذاتی انتخابی مہم اور آئی جے آئی کے اخباری اشتہاروں پر صرف کئے گئے۔ ذوالفقار اعوان نے آئی جے آئی اور غلام حیدر وائیں کی انتخابی مہم پر براہ راست لاکھوں روپے خرچ کئے۔ رٹ درخواست کے ساتھ ان الزامات کے بارے میں مختلف اخبارات کے تراشے بھی لف کئے گئے ہیں۔ درخواست کے مطابق ذوالفقار اعوان کے خلاف درخواست دہندہ کی سمری پر مدعا علیہ نمبر ایک وزیراعلیٰ پنجاب برہم ہوگئے اور درخواست دہندہ سے کہا کہ وہ اسے کسی طور پر بھی اپنے عزیز دوست ذوالفقار اعوان کے خلاف کسی ایکشن کی اجازت نہیں دیں گے۔ وزیراعلیٰ نے درخواست دہندہ کو یہ بھی کہا کہ وہ اس معاملے کو بھول جائے۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ مدعا علیہ نے درخواست دہندہ کی رپورٹ پر صرف غور ہی کیا تو مدعا علیہ کا سیاسی مستقبل مخدوش ہوجائے گا۔ درخواست دہندہ کے مطابق کوآپریٹو سوسائٹیوں میں مالی بے ضابطگیاں عرصے سے جاری تھیں مگر ان کی طویل عرصہ سے پردہ پوشی کی جارہی تھی۔ درخواست دہندہ نے کہا ہے کہ کوآپریٹو کے معاملات میں سیاسی مفادات سے بے خبر محض ایک سرکاری ملازم کی حیثیت سے میں نے اپنا کام جاری رکھا۔ مجھے اس وقت اس امر کا اندازہ نہ تھا کہ میں جس معاملے کو پہلی بار منظر عام پر لارہی ہوں اسے طویل عرصے سے پوشیدہ رکھا جارہا تھا۔ درحقیقت درخواست دہندہ کی تحقیقات اور آڈٹ رپورٹوں ہی کا نتیجہ تھا کہ کوآپریٹو کا اتنا بڑا سکینڈل عوام کے سامنے آیا۔

درخواست دہندہ نے اپنی رٹ میں یہ بھی کہا ہے کہ مدعا علیہ نمبر ایک غلام حیدر وائیں جب سے وزیراعلیٰ بنے ان کے بارے میں اخبارات اور سیاسی حلقوں میں یہ تاثر قائم ہوگیا کہ وہ سیاسی طور پر کمزور شخصیت ہیں اور وہ محض ایک سیاسی سمجھوتے کے نتیجے میں وزیراعلیٰ کے عہدے پر پہنچ گئے۔ درخواست کے مطابق مدعا علیہ کو اپنی اس کمزوری کا علم تھا اور اس امر کا بھی احساس تھا کہ ذوالفقار اعوان کے ساتھ ذاتی دوستی کے پس منظر میں اگر کوآپریٹو سکینڈل منظر عام پر آگیا تو اس سے مدعا علیہ کو سیاسی طور پر نقصان پہنچے گا اس لئے مدعا علیہ نے درخواست دہندہ کے خلاف ایسا موقف اختیار کرنے کا فیصلہ کیا جو غیر قانونی اور بدنیتی پر مبنی تھا۔ درخواست میں کہا گیا ہے کہ مدعا علیہ نے واضح طور پر اپنا سیاسی مستقبل محفوظ کرنے کے لئے درخواست دہندہ کو قربانی کا بکرا بنانے اور تباہ کرنے کا فیصلہ کرلیا تھا جبکہ میں نے اپنے سرکاری فرائض ادا کئے اور اس کا کسی سیاسی پارٹی سے کوئی تعلق نہ تھا۔ درخواست کے مطابق مدعا علیہ نمبر ایک نے ان ہی وجوہ کی بناء پر درخواست دہندہ کو ہراساں کرنے کی مہم شروع کردی۔ درخواست دہندہ کے ماتحت افسروں کو براہ راست وزیراعلیٰ کے دفتر طلب کر کے انہیں درخواست دہندہ کے خلاف دستاویزی مواد جمع کرنے کا حکم دیا گیا۔ مزید برآں کہ درخواست دہندہ کے شوہر صوبائی وزیر کو واضح طور پر بتایا گیا کہ اگر درخواست دہندہ نے مدعا علیہ (وزیراعلیٰ پنجاب) کی پوزیشن خراب کرنے کی کوشش کی تو اس کے خلاف مثالی کارروائی کی جائے گی۔ اس مقصد کے لئے مدعا علیہ نے گورنمنٹ سپیریئر سروسز آف پاکستان کو کوآپریٹو ہاؤسنگ سوسائٹی کو نشانہ بنانے کا فیصلہ کیا جس کی درخواست دہندہ صدر ہے تاکہ اس طرح ہاؤسنگ سوسائٹی کو جوابی ہتھیار کے طور پر استعمال کیا جائے اور ذوالفقار اعوان وغیرہ کے خلاف درخواست دہندہ کی کارروائیوں کے بارے میں شک و شبہ پیدا کردیا جائے۔ اس سلسلہ میں محکمہ امداد باہمی کے ملازمین اور دوسرے افراد کے ذریعے میرے خلاف مواد جمع

(باقی اندرونی سرورق کے دوسری جانب)

تا خلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

تحریکِ خلافت پاکستان کا نقیب

ہفت روزہ ندائے خلافت لاہور

جلد ۱ شمارہ ۳۱
۲۴ر اگست ۱۹۹۲ء

مدیر
اقتدار احمد

معاون مدیر
حافظ عاکف سعید

یکے از مطبوعات
تنظیمِ اسلامی
مرکزی دفتر: ۶۷-اے، علامہ اقبال روڈ، گڑھی شاہو لاہور

مقامِ اشاعت
۳۶-کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور
فون :- ۸۵۶۰۰۳

پبلشر: اقتدار احمد طابع: رشید احمد چودھری
مطبع: مکتبہ جدید پریس، ریلوے روڈ، لاہور

قیمت فی پرچہ -/۳ روپے

سالانہ زرِ تعاون (اندرونِ پاکستان) -/۱۲۰ روپے

زرِ تعاون برائے بیرونِ پاکستان

سعودی عرب، متحدہ عرب امارات، بھارت	۱۶ امریکی ڈالر
مسقط، عمان، بنگلہ دیش	۱۲ " "
افریقہ، ایشیا، یورپ	۱۷ " "
شمالی امریکہ، آسٹریلیا	۲۰ " "

سیاست کے پرانے انداز کا نیا استعمال

ہمارے خدا مست درویش نے تو چشم تصور سے کام لے کر پیش بینی کی تھی کہ۔

پرانی سیاست گری خوار ہے زمیں میر و سلطاں سے بیزار ہے

لیکن اسی خطہ زمین میں جہاں سے اسے اسلام کی نشاۃ ثانیہ کی امید تھی' ہم اپنے کرتوتوں کا حاصل یہ دیکھ رہے ہیں کہ میر و سلطاں سے بیزاری تو پیدا ہوئی ہے لیکن سیاست کے پرانے انداز جوں کے توں رہے۔ اس یوم آزادی کے موقع پر اہل لاہور نے پوری شدت سے محسوس کیا کہ متعدد تجربات کی تلخی چکھنے کے بعد بھی ہمارے سیاستدان اپنی پرانی روش پر قائم ہیں۔ تعمیر کے دعووں میں تخریب کے عزائم چھپے ہوئے ہیں۔ منفی نعروں کے ذریعے لوگوں کے جذبات میں اشتعال پیدا کرنے کا وہی پرانا نسخہ پھر آزمانے کا ارادہ ہے جس نے پہلے بھی کئی بار ہمیں برے دن دکھائے کیونکہ ہر دفعہ اس کے استعمال کا نتیجہ یہی سامنے آیا کہ مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی۔ لگ بھگ دو سال عالم بے بسی میں باد مخالف کے تھپیڑے کھانے کے بعد حکومت کے مخالف عناصر بالاخراب عوامی احتجاج کی ایک زوردار لہر پیدا کرنے میں کامیاب ہو گئے ہیں جو وقت گزرنے کے ساتھ اونچی ہی اٹھتی چلی جائے گی۔

اہل سیاست کا' وہ حزب اقتدار میں ہوں یا حزب اختلاف میں' ذہنی افلاس ڈھکا چھپا نہیں۔ یہ لوگ بات نظام بدلنے کی کرتے ہیں لیکن ان میں سے چونکہ الاماشاء اللہ ہر شخص کے مفادات حاضر و موجود استحصالی نظام ہی سے وابستہ ہیں' لہٰذا اسے بدلنا ان کے لئے خودکشی کے مترادف ہے۔ ان کی باتوں کا مطلب وہ لینا اور گھاتوں کا مقصد وہ سمجھنا جو ظاہر کیا جاتا ہے' سادہ لوحی ہے اور اس کا نتیجہ نقصان مایہ پھر شماتت ہمسایہ کے سوا کچھ اور نہیں نکلے گا۔ دھوکا دیتے ہیں یہ بازی گر کھلا۔ دنیا کی تاریخ میں نظام کی کلی تبدیلی کی محض ایک لیکن جزوی تبدیلی کی متعدد مثالیں موجود ہیں جن میں سے کوئی بھی اس راستے سے نہیں آئی جو ہمارے سیاستدانوں نے اختیار کیا ہے۔ ایسی جزوی تبدیلی بھی جس کے اثرات کسی بھی شعبہ زندگی پر بنیادی نوعیت کے ہوں' انقلاب اور محض انقلاب سے آئی ہے اور یہ ماضی قریب کی باتیں ہیں۔ باسی کڑھی میں وہ ابال جو ایک بار پھر پیدا کیا جا رہا ہے' ملک و قوم کے مخدوش مستقبل کو مخدوش تر بنا دے گا۔ خدا محفوظ رکھے ہر بلا سے۔

بایں ہمہ موجودہ صورت حال بھی قابل برداشت نہیں جو قومی وقار کی بچی کھچی پونجی کو بھی دیمک کی طرح چاٹ رہی ہے۔ نظام کی تبدیلی کے دعوے تو باطل ہیں اور اس میں کسی تبدیلی کے آثار بھی نہیں لیکن نظام کو چلانے والے ہاتھ بدلنے کی ضرورت شدید تر ہوتی چلی جا رہی ہے۔ کاش' اس کا کوئی بہتر طریقہ دستیاب ہوتا اور ہم اس سیاسی افراتفری سے بچنے کی تدبیر کر سکتے جو سیاست کے پرانے انداز کے پرانے استعمال میں نظر آ رہی ہے !۔ رونا تو یہ ہے کہ نہ اس میں خیر ہے نہ سیاست کے پرانے انداز کے نئے استعمال میں جو حکمران طبقے نے ایجاد کیا اور جس نے نقشہ یہ جمایا ہے کہ سیاسی ہمسفروں کی پانچوں گھی میں ہوں اور اپنا سر کڑاہی میں رہے۔ زندہ و بیدار معاشروں میں سیاست کی غرض و غائت قوم کی سرفرازی ہوتی ہے جو بدقسمتی سے ہمارے سیاستدانوں کا مطمح نظر نہیں رہی۔ پہلے طبقاتی فوائد' ذاتی اقتدار اور عزت و جاہ کی طلب میں قومی مفادات کو روندا جاتا تھا اور اب ہر نئے داؤ پیچ کا مقصد زیادہ سے زیادہ مال سمیٹنا رہ گیا ہے۔ انہوں نے سمجھا یہ ہے کہ باقی سب تو کہنے کی باتیں ہیں' اصل کام کی چیز دولت ہے جو کھائی اڑائی جا سکتی ہے' چھپائی بھی جا سکتی ہے اور غیر ملکوں میں منتقل کر کے محفوظ بھی کی جا سکتی ہے۔

پاکستان کے مسلمانوں کو سیاست کے پرانے انداز کے ان پرانے اور نئے دونوں طرح کے استعمال سے پناہ مانگنی چاہئے۔ ان کو دستیاب واحد چارہ کار اب دعا ہی ہے کیونکہ حالات سے نبرد آزما ہونے کے عزم و ارادے کی پختگی کے ساتھ موجودہ فاسد نظام کو بدلنے کے لئے جس انقلابی جدوجہد کی ضرورت ہے' اس کی نیت عوام تو کیا چنیدہ خواص میں بھی شاذ ہی پائی جاتی ہے۔ OO

الہدیٰ

سورۃ البقرہ
(آیات ۱۲۰۔۱۲۱)

ترجمانی: حافظ عاکف سعید

اور ہرگز راضی نہ ہوں گے تم سے یہود اور نہ نصاریٰ تاوقتیکہ تم پیروی نہ کرو انہی کی ملت کی'

(مشرکین کے حوصلہ شکن طرز عمل کا ذکر کرنے کے بعد صاف الفاظ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو بتادیا گیا کہ یہود و نصاریٰ کے بارے میں بھی کسی خوش فہمی میں نہ رہنا!---- حق کے ان علمبرداروں کو امر حق سے کوئی سروکار نہیں۔ حق سے زیادہ یہ لوگ اپنی خواہشات کے پرستار ہیں اور انہوں نے تمہاری مخالفت پر کمر کسی ہوئی ہے۔ ان سے یہ توقع نہ رکھنا کہ وہ بلا توقف تمہارا دین قبول کرلیں گے' وہ اس سے کم پر ہرگز راضی نہ ہوں گے کہ تم ان کا دین اختیار کرلو اور ان کی ماتحتی قبول کرو!)

ان سے کہو کہ اللہ کی ہدایت ہی اصل ہدایت ہے' اور اگر تم نے ان کی خواہشات کی پیروی کی اس علم حقیقی کے بعد جو تمہارے پاس آچکا ہے تو اللہ کے مقابل میں نہ تمہارا کوئی دوست ہوگا اور نہ مددگار○

(کہ ہر دو میں وہی ہدایت معتبر شمار ہوتی ہے جو اس دور کے نبی پر بصورت وحی اللہ کی طرف سے نازل ہو۔ لہٰذا اب اس قرآن حکیم پر کہ جو اللہ کی جانب سے نازل کردہ ابدی ہدایت نامہ ہے' ایمان لانا اور دین اسلام کو قبول کرنا ضروری متصور ہوگا نہ کہ یہود و نصاریٰ کے طور طریقوں کو اختیار کرنا!---- اور اے نبیؐ علم حقیقی یعنی علم وحی کے آجانے کے بعد اگر آپ نے بالفرض ان کی خواہشات کے احترام میں ان کے طور طریقوں کو اختیار کیا' جس کا عمل کی دنیا میں کوئی امکان نہیں تھا' تو آپؐ کو قہر الٰہی سے بچانے والا کوئی نہ ہوگا!---- یہاں اس تنبیہ اور عتاب کا اصل رخ یہود و نصاریٰ کی طرف ہے کہ تم لوگ اس امکان کو اپنے ذہنوں سے ہمیشہ کے لئے نکال دو کہ یہ نبیؐ تمہارے بہکاوے میں آکر راہ حق سے کبھی برگشتہ ہوسکتے ہیں!!)

وہ لوگ جن کو ہم نے کتاب عطا کی وہ اس کی تلاوت کرتے ہیں جیسا کہ حق ہے اس کی تلاوت کا' وہی لوگ اس پر ایمان لاتے ہیں اور جو اس کا انکار کریں گے تو وہی گھاٹے میں رہنے والے ہیں○

(ہاں سچے اہل کتاب کا معاملہ مختلف ہے۔ یہود و نصاریٰ میں سے یہ وہ معدودے چند لوگ ہیں جو اللہ کی کتاب کو سمجھ کر پڑھتے اور اس کی تلاوت کا حق ادا کرتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جو اللہ کی اس تازہ نازل شدہ کتاب یعنی قرآن حکیم پر بھی ایمان رکھتے ہیں۔ حضرت عبداللہؓ بن سلام ان میں ایک نمایاں مثال ہیں جو ایک یہودی عالم دین تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاکر جلیل القدر صحابہ میں شامل ہوئے' باقی جو لوگ اس کتاب مبین اور فرقان حمید کا انکار کرتے ہیں وہی ہیں کہ جو خائب وخاسر ہوں گے)

بہاولپور سازش کو حادثہ بہاولپور کا نام کیوں دیا گیا؟

وہ دینی جماعتوں کو منقسم کرنے میں ضرور کامیاب رہے

ضیاء الحق "اسلامی مصطفیٰ کمال" نہیں بن سکے تھے

عبدالکریم عابد

ہمارے ملک میں جمہوریت جدوجہد سے نہیں 'امریکی سازش سے آئی ہے

ضیاء الحق کے طیارے کا حادثہ غیر متوقع نہیں تھا۔ صدر ضیاء کو بھی اندازہ ہوگیا تھا کہ وہ سازش کی زد میں ہیں اور لوگ بھی منتظر تھے کہ پردہ غیب سے ضرور کچھ ظہور میں آنے والا ہے۔ بات صاف تھی کہ امریکہ کو صدر ضیاء الحق کی ضرورت نہیں رہی تھی اور ان کی شخصیت اس ملاقہ میں امریکی حکمت عملی کی راہ میں رکاوٹ بننے لگی تھی۔ اس حقیقت کا اظہار "ندا" کے مضامین میں بار بار کیا گیا اور دو نکات خاص طور پر پیش کئے گئے تھے۔ ایک یہ کہ سرد جنگ کا دور اختتام پذیر ہے' امریکہ اور روس افغانستان کے مسئلہ پر تصفیہ کررہے ہیں' جونیجو صاحب نے پاکستان کی جانب سے تصفیہ پر مہر توثیق ثبت کی ہے اور یہ بات صدر ضیاء کو سخت ناگوار گزری۔ انہوں نے جونیجو حکومت کو ختم کردیا لیکن اس طرح اپنے لئے سنگین خطرہ پیدا کرلیا ہے اور کسی بھی وقت وہ کسی سازش کی زد میں آسکتے ہیں۔

دوسرا نکتہ یہ تھا کہ امریکہ کو اہل یورپ یہ سمجھانے میں کامیاب ہوگئے ہیں کہ کیمونزم کے خلاف جنگ کے لئے موثر ہتھیار جمہوریت ہے اور اب امریکہ کی کوشش یہ ہونی چاہیے کہ روس اور مشرقی یورپ میں ایک زبردست "جمہوری لہر" پیدا کی جائے لیکن اس کے لئے امریکہ کو خود اپنا طرز عمل بھی جمہوریت کی سرپرستی کا بنانا ہوگا' اپنے زیر اثر ممالک میں آمریتوں کے سر سے اپنا دست شفقت اٹھا کر جمہوریت کی رونمائی کا کوئی انتظام کرنا ہوگا۔لیکن صدر ضیاء جمہوریت کے قائل تھے نہ سیاسی جماعتوں کے قائل' نہ انتخابات کے قائل تھے۔ انہوں نے امریکی دباؤ پر ۸۵ء کے الیکشن کرائے لیکن غیر جماعتی بنیاد پر' اس الیکشن کے نتیجہ میں جو اسمبلی بنی اسے بھی برداشت نہ کرسکے اور اس تیاری میں تھے کہ "اسلام" کے نام پر ایک سخت آمریت اس ملک میں مسلط کردیں۔ ضیاء الحق اس خیال میں تھے اور ان کا فلک امریکہ کچھ اور ہی سوچ رہا تھا۔ اس سوچ کا نتیجہ بہاولپور میں ہی ایک سو تمیں کا جان لیوا حادثہ تھا۔

اس حادثہ کے فوراً بعد "ندا" میں میرا جو تجزیہ شائع ہوا' اس میں اسے امریکی سازش قرار دیا گیا۔ ایک اور صاحب طارق مجید کا نہایت ٹھوس تفصیلی اور مدلل مضمون "ندا" میں شائع ہوا کہ یہ امریکی سازش ہے لیکن حکمران اور ان کے ذرائع ابلاغ اسے حادثہ قرار دینے پر مصر تھے اور وہ "سازش" کے تذکرہ پر بہت برہم بھی ہوجاتے تھے۔ حکومت کی تمام خفیہ ایجنسیوں نے حیرت انگیز طور پر ایک ہی موقف اختیار کیا کہ یہ محض ایک حادثہ ہے حالانکہ اس وقت بھی حادثہ سے متعلق کئی جواب طلب سوالات اخبارات میں اٹھائے گئے تھے۔ ان سوالات کو نظر انداز کیا گیا مگر خون کبھی چھپ نہیں سکتا۔ پھر ایک سربراہ مملکت' اتنے سارے اعلیٰ فوجی افسروں اور امریکی سفیر کا خون کیسے چھپ سکتا تھا۔ امریکہ میں سفیر کے ارکان خاندان نے بہت شور مچایا اور پاکستان میں بھی ضیاء الحق کے گھر والے اور وابستگان چین سے بیٹھنے والے نہیں تھے۔

اس مسئلہ کا اہم پہلو یہ تھا کہ امریکہ نے یہ سازش کی تو اس کے لئے پاکستان کے لوگ ہی استعمال کئے گئے اور یہ پاکستانی بھی ایسے ویسے نہیں' اعلیٰ فوجی عہدوں پر فائز لوگ تھے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہماری فوج میں بیرونی ایجنٹوں کی زبردست طاقت موجود ہے' ایسی طاقت کہ وہ کسی بھی وقت سربراہ حکومت' انٹیلی جنس چیف اور دوسرے بہت سے لوگوں کو اڑاسکتے ہیں۔ یہ صورت حال تشویش انگیز تھی اور اس کی تحقیقات ہونی چاہیے تھی کہ پاکستانی فوج میں یہ بیرونی ایجنٹ کون ہیں؟۔ ان تحقیقات کو روکنے کے لئے یہ افسانہ بھی اچھالا گیا کہ ساری کارروائی "الذوالفقار" نے کی ہے حالانکہ بے چاری "الذوالفقار" کسی قابل ہی نہیں اس تنظیم نے بھارت لیبیا اور افغانستان سے پیسے لے کر چھوٹے موٹے بم کے دھماکے ضرور کرائے مگر کوئی بڑی واردات پورے ضیاء عشرہ میں نہیں کرسکی تھی۔ پی آئی اے کے طیارے کا اغوا بھی انٹیلی جینس ایجنسیوں کا ڈرامہ تھا' "الذوالفقار" کا نام صرف اصل سازشیوں کی پردہ پوشی کے لئے لیا گیا۔

پیپلزپارٹی والوں نے ضیاء کے منظر سے غائب ہونے پر خوشی ضرور منائی مگر ان کی یہ خوشی کوئی اچھی بات نہیں تھی ۔ اگر پیپلزپارٹی یا بے نظیر صاحبہ عوامی جدوجہد کے ذریعہ کوئی انقلاب برپا کرسکتیں یا ان کو سیاسی شکست دے سکتیں تو بلاشبہ انہیں ناز کرنے کا حق تھا مگر یہ کہ انہیں ایک غیر ملکی طاقت نے غیر ملکی حکمت عملیوں کی تکمیل کے لئے ہٹایا ' کوئی مسرت افزا بات نہیں تھی ۔ جس شخص ، کو ہمیں اپنی سیاسی طاقت اور جدوجہد کے ذریعہ ہٹانا چاہیے تھا ' اسے ہم ہٹا نہ سکے اور ہمارے ملک میں جمہوریت کا داخلہ ہماری کوشش کی بجائے امریکی سازش کے تحت ہوا تو یہ ایک شرمناک بات بھی تھی اور تشویش انگیز بھی ۔ یہی وجہ ہے کہ لوگوں نے اس جمہوریت میں بوئے خوں سونگھ لی اور اسے اول دن سے ہی شبہ کی نظر سے دیکھنے لگے۔

پھر یہ بھی نہیں ہوا کہ ضیاء صاحب منظر سے ہٹ گئے ہوں۔ وہ تو شہید بن کر منظر پر مزید حاوی ہوگئے اور پیپلزپارٹی کے مخالفین کی بن آئی کہ انہیں بھٹو کے مقابلے میں اپنا شہید مل گیا۔ اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ ضیاء صاحب کی رخصتی کے بعد ہر کس و ناکس نے دیکھ لیا کہ ان کے مداحوں اور عقیدت مندوں کی تعداد لاکھوں میں ہے حالانکہ سب سیاستدان اس پر متفق تھے کہ انہوں نے غلط راستہ اختیار کیا اور ملک کو جمہوریت سے محروم رکھ کر اور آمریت کو چلا کر بڑا قومی نقصان کیا لیکن سیاستدان اس قومی نقصان کا احساس عام نہ کرسکے ۔

خاص طور پر بڑا المیہ یہ ہے کہ مذہب کی نام لیوا سیاسی جماعتوں کے پیروں تلے ضیاء صاحب نے زمین کھسکا لی تھی اور وہ ایک نہایت منظم اور فکری لحاظ سے بلند سطح کی جماعت اسلامی میں بھی نقب لگانے میں کامیاب ہو چکے تھے ۔ پروفیسر غفور ' محمود اعظم فاروقی ' منور حسن ' جان محمد عباسی اور قاضی حسین احمد سب جنرل ضیاء کے خلاف سخت سے سخت تر بیانات دیتے رہے لیکن جماعت کے اندر ارکان میں بھی اور حلقہ ہمدردان میں بھی ضیاء کی حمایت روز بروز بڑھتی چلی جارہی تھی ۔ یہی حال جمعیت العلمائے پاکستان کا تھا کہ بے چارے نورانی میاں اور شاہ فرید الحق اکیلے رہ گئے اور باقی لوگ حنیف طیب کی سرکردگی میں ضیاء دربار سے منسلک ہوگئے ۔ جمعیت العلمائے اسلام کا حال بھی

پیپلزپارٹی کے مخالفین کو اس کے شہید کے مقابلے میں اپنا شہید مل گیا

برا تھا ۔ مفتی محمود اور ان کے صاحبزادے فضل الرحمٰن نے استقامت کا ثبوت دیا لیکن جمعیت کا دوسرا دھڑا جو پنجاب میں تھا ' ان کے ساتھ نہیں تھا اور براہ راست یا بالواسطہ طور پر ضیاء حکومت کو تائید مہیا کرتا رہا ۔ کراچی میں سواداعظم نے الگ دکان لگالی اور اس دکان کے لئے سرمایہ انٹیلی جنس ایجنسیوں نے فراہم کیا تھا

سوال یہ ہے کہ آخر مذہبی جماعتوں کے رہنما اپنے حلقوں کو ٹوٹ پھوٹ سے کیوں نہ بچا سکے ۔ اس کا ایک ہی جواب ہے ' یہ کہ نظریاتی کام اور شعور کی آبیاری پر توجہ نہ رہی یا بہت کم ہوگئی اور دینی جماعتوں کے حامیوں کے تحت الشعور میں یہ بات تھی کہ جمہوریت کا تو ہم صرف برائے وزن بیت نام لیتے ہیں ورنہ جمہوریت کی ہمیں کیا ضرورت ۔ اگر اسلام اس کے بغیر فرد واحد کی آمریت کے نتیجہ میں آجاتا ہے تو ہمیں جمہوریت پر لعنت بھیج کر آمریت کے اسلام کا خیر مقدم کرنا چاہیے ۔ بہت سے لوگ تو صاف کہتے تھے کہ جمہوریت کیا ہے ' ایک فراڈ ہے ۔ اس سے اسلام کیسے آئے گا ؟ صرف جاگیردار وڈیرے موقع پرست آئیں گے ۔

اب اگر خیالات کی یہ لہر صحیح تھی تو دینی جماعتوں کو اسے قبول کرکے اپنی سابقہ فکر کو صاف صاف کالعدم قرار دینا چاہیے تھا اور کہنا چاہیے تھا کہ برسہابرس کی غلط روی کے بعد اب ہم راستے کو پا گئے ہیں اور ہمیں صحیح رہنما مل گیا ہے لیکن یہ خیالات غلط تھے تو انہیں اپنے حلقہ کی ذہنی تطہیر اور تربیت کا انتظام کرنا چاہیے تھا اور بتانا چاہیے تھا کہ جمہوریت کی اہمیت کیا ہے ' کیوں ہے اور یہ کہ آمریت کا اسلام محض نمائش اور مصنوعی ہوگا جس کے چکر میں نہیں پڑنا چاہیے لیکن ہر دینی جماعت میں یہ دونوں متضاد مکاتب فکر ساتھ ساتھ چلتے رہے اور وقت کے ساتھ ساتھ ضیاء پرستوں کا کتب فکر طاقتور ہوتا گیا جبکہ باقی لوگ کمزور پڑتے گئے ۔

ضیاء صاحب تو گزر گئے ' انہوں نے صحیح سیاسی رویہ اختیار نہیں کیا تو یہ تعجب کی بات نہیں تھی ۔ وہ سیاسی آدمی نہیں تھے ' فوجی تھے اور ایوب خاں ہی کی اس سوچ کے علمبردار تھے جو فوج میں جڑ رکھتی ہے البتہ نئی بات یہ ہوئی کہ انہوں نے اس سوچ میں اسلام کا پیوند لگایا اور کوشش کی کہ وہ سیکولر مصطفیٰ کمال کے مقابلہ میں "اسلامی مصطفیٰ کمال" بن جائیں لیکن سیکولر مصطفیٰ کمال کے پیچھے مغربی فلسفہ اور سیاست کی طاقت تھی ۔ پھر خلافت کا نظام اس قدر بوسیدہ اور گل سڑ گیا تھا کہ اس سے گھن آنے لگی تھی ۔ ترک قوم پرستی کی ایک تحریک تھی ' ماڈرن ازم کی بھی ایک تحریک تھی جبکہ ہمارے "اسلامی مصطفیٰ کمال" مغربی فلسفہ اور سیاست کے مقابلے میں کسی فلسفہ اور سیاست کے بغیر کھڑے تھے صرف فوج کی بندوق ان کے ہاتھ میں تھی یا پھر وڈیرے تھے ' یا متوسط طبقہ کے موقع پرست تھے یا بیوروکریسی تھی جو منافق بھی تھی ۔

ضیاء صاحب قدیم نظام کی جگہ نہ کوئی نیا نظام رائج کرسکتے تھے اور نہ اس کی انہوں نے کوشش کی ۔ ترک قوم پرستی کی طرح پاکستانی قوم پرستی نام کی کوئی شے یہاں موجود نہیں تھی ۔ اس کی بجائے قومیتوں کی کشمکش اور تعصبات تھے جو ایک متحدہ لہر پیدا کرنے میں مانع تھے اور ہر صوبہ کی اپنی لہر تھی۔ پھر اس صوبہ میں بھی الگ الگ سوچ کے دھارے تھے اس لئے ضیاء الحق " اسلامی مصطفیٰ کمال" نہیں ہوسکتے تھے ۔ وہ نہ شریعت کو جبری نافذ کرسکتے تھے نہ قوم کو زبردستی ایک نیا لباس پہنا سکتے تھے ۔ انہوں نے مرد انقلاب بننے کی بجائے ہر طبقہ سے مصالحتوں کے ساتھ کام چلایا اور ان کا اسلام بھی مصالحتوں اور مصلحتوں کے تحت آجاتا تھا جس پر ضیا الحق کو برا بھلا کہنا غلط ہے ۔ وہ کیا کوئی اور بھی ان کی جگہ ہوتا تو اس کے سوا کچھ نہیں کرسکتا تھا کیونکہ یہ ان کی کمزوری نہیں تھی ' ہمارے ملکی حالات اور قومی انداز فکر کی کمزوری تھی کہ نظام کی تبدیلی کے مقابلے میں "سٹیٹس کو" کی قوتیں طاقتور ہیں ۔ ان سے تنہا ضیاء الحق کس طرح لڑسکتے تھے ؟ اس لڑائی کے لئے ایک منظم نظریاتی جماعت کی ضرورت ہے جو ایمان افروز کردار کا مظاہرہ کرسکے اور جس کی فکر میں ایسی تازگی اور توانائی بھی ہو کہ فکری سطح پر اپنی اجتہادی قوت کا مظاہرہ کرسکے اور یہ جماعت

(باقی صفحہ ۱۸ پر)

خلافت کی بساط کئی مراحل میں لپیٹی گئی تھی

سفر ترکی کے مشاہدات و تاثرات

پاکستانی مسلمانوں سے محبت جدید نہیں قدیم ترکی میں پائی جاتی ہے

اسلام کو آئینی اور دستوری سطح پر کہیں اور یوں رخصت نہیں کیا گیا

سفر سے واپسی پر ۷ر اگست کو ڈاکٹر اسرار احمد کا پہلا خطاب جمعہ

حمد وثناء 'سورۂ روم کی آیات ۳۱ تا ۳۴ کی تلاوت اور ادعیہ مسنونہ کے بعد فرمایا کہ ہم نے اپنا پچھلا جمعہ استنبول میں سلیمان اعظم کی مسجد میں ادا کیا۔ سلیمان اعظم وہ شہنشاہ تھے جن کی عظمت ساری دنیا کے نزدیک مسلمہ ہے۔ اور اس جمعہ کو مجھے اپنے سفر ترکی کے تاثرات اور مشاہدات آپ کے گوش گزار کرنا ہیں۔

امریکہ کی آئی ایم اے

امریکہ میں مسلمان ڈاکٹروں کی ایک تنظیم ہے ' آئی ایم اے آف نارتھ امریکہ۔ اس کی دعوت پر دو سال پہلے سپین جانا ہوا تھا اور اسی کے بلانے پر مجھے ترکی کی سیر یا مشاہدے کا موقعہ ملا۔ جو آیات میں نے آپ کو سنائیں ' ان میں یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ زمین میں ذرا گھومو پھرو اور دیکھو کہ جو قومیں پہلے گزر چکی ہیں ان کا انجام کیا ہوا' ان کی کیا کچھ عظمت تھی لیکن کس انجام سے دوچار ہوئیں۔ اس میں ہمارے لئے ایک بڑی راہنمائی ہے۔

سفر کی برکات

عربی زبان میں حروف س ' ف ' ر سے سفر بنتا ہے۔ سفر کے معنی ہیں چلنا پھرنا۔ اسی سے ایک لفظ بنتا ہے جس کے معنی ہیں روشنی۔ جیسے بعض حضرات کہتے ہیں کہ "اسفار" میں فجر کی نماز پڑھنی چاہیئے یعنی جب روشنی ہو چکی ہو۔ اسی طرح قرآن میں فرمایا گیا " وجوہ یومئذ مسفرۃ " (کچھ چہرے اس دن روشن ہونگے۔ میدان حشر میں جب لوگ کھڑے ہونگے تو بہت سے لوگوں کے چہرے چمک رہے ہونگے۔ پھر اسی مادے سے ایک لفظ سفر بنتا ہے جس کے معنی کتاب ہیں۔ اس کی جمع اسفار بھی قرآن مجید میں مذکور ہے۔ " مثل الذین حملوا التورۃ ثم لم یحملو ھا کمثل الحمار یحمل اسفارا "یعنی مثال ان کی جو تورات کے حامل بنائے گئے تھے ' پھر انہوں نے اس کی ذمہ داری کو ادا نہ کیا اس گدھے کی ہے جس پر کتابوں کا بوجھ لدا ہو۔

آپ نے دیکھا کہ ایک ہی مادے سے تین لفظ بنے ہیں 'کتاب ' روشنی اور سفر۔ ان سب میں ایک چیز قدر مشترک ہے۔ کتاب انسان کو روشنی عطا کرتی ہے اور علم حاصل ہوتا ہے۔ روشنی سے بھی انسان کو علم حاصل ہوتا ہے۔ اگر اندھیرا ہو تو اشیا کا علم نہیں ہوگا اور کچھ پتہ نہیں چلے گا کہ آگے پیچھے یا دائیں بائیں کیا ہے اسی طرح سیر و سیاحت سے بھی علم میں اضافہ ہوتا ہے ' مشاہدات کا دائرہ وسیع ہوتا ہے اور افق ذہنی میں وسعت پیدا ہوتی ہے۔ یوں عربی زبان میں بہت وسعت ہے اور اس علم کو فقہ اللغۃ کہا گیا ہے جیسے احکام شریعت کی پہچان کے لئے لفظ فقہ استعمال ہوا۔ حروف ف ' ق ' ہ سے فہم کا مفہوم نکلتا ہے۔ تفقہ باب تفاعل سے ہو تو اس کا مطلب ہے فہم حاصل ہونا۔ فقہ اللغۃ کا مفہوم ہے الفاظ کا یہ فہم حاصل ہونا کہ اس کا مادہ کیا ہے ' پھر مادے کا اصل مفہوم کیا ہے اور جب یہ لفظ استعمال میں آیا تو اس نے کن کن مراحل سے گزر کر اصطلاح کی شکل اختیار کی ہے۔

آئی ایم اے کا تعارف

میں اس تنظیم کا تعارف کروانا چاہتا ہوں جس کی وجہ سے میرا یہ سفر ممکن ہوا کیونکہ میں اس کا ممنون احسان ہوں۔ نہ تو میرے وسائل اتنے ہیں اور نہ ہی میرے پاس اتنا وقت ہے کہ سیرو سفر کے لئے نکلوں۔ آج کل سفر مہنگا بھی بہت ہوگیا ہے اور محض سیر کے لئے میں وقت نہیں نکال سکتا۔ یہ آرگنائزیشن آئی ایم اے (I.M.A) ۱۹۶۷ء میں وجود میں آئی۔ ان کی تاسیس کو پچیس سال پورے ہوگئے اور اس بار گویا ان کا سلور جوبلی اجلاس تھا۔ اس کا پس منظر یہ ہے کہ ساٹھ اور ستر کی دہائیوں میں مسلمان ممالک سے بہت سے نوجوان امریکہ گئے جن میں زیادہ نمایاں ڈاکٹر تھے۔ اس وقت امریکہ کو ڈاکٹروں کی ضرورت تھی۔ اس کے علاوہ وہاں سب سے زیادہ قابل عزت اور دنیوی اعتبار سے کاروبار کے بعد سب سے زیادہ منفعت بخش پیشہ طب و جراحت ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ جس وقت یہ بہت سے لوگ گئے اس وقت تو ان کا ارادہ یہی ہوگا کہ اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے واپس آجائیں گے ' لیکن دو اسباب سے وہاں جانے والے اکثر و بیشتر لوگ لوٹ کر نہیں آئے۔ ایک سبب یہ کہ وہاں کے حالات ان کے لئے بہت پرکشش نکلے۔ وہاں کی تنخواہیں اونچی تھیں اور معیار زندگی بلند تھا۔ پھر وہاں کوئی سازشیں اور دھوکہ یا فریب نہیں ' کوئی بھی شخص جو بات کہہ رہا ہوتا ہے اس کے بارے میں آپ اعتماد کرسکتے ہیں کہ اس کا اصل مفہوم بھی یہی ہے۔ یہ نہیں کہ زبان پر کچھ ہو اور مقصود کچھ اور۔ وہاں کھلا کھلا کفر تو ہے لیکن منافقت نہیں ہے۔ اس لئے وہاں کام کرکے خوشی ہوتی ہے۔

اسی طرح وہاں محنت کی عظمت (Dignity)

(of Labour ہے اور کوئی شخص کام کر کے اپنے آپ کو کم تر محسوس نہیں کرتا۔ ہمارے بہت سے لوگ وہاں ٹیکسی ڈرائیور کا کام کرتے ہیں اور بڑی اچھی زندگیاں گزار رہے ہیں۔ چنانچہ وہاں کے حالات اور کاروباری کشش انہیں روکنے کا مثبت سبب بن گئے ' اگرچہ ہمارے اعتبار سے وہ منفی سبب ہے کہ اس کے باعث Brain Drain ہوا اور ہمارے بہترین نوجوان وہاں رہ گئے۔ اتنے باصلاحیت لوگوں سے ملک و قوم کو محرومی ہوئی لیکن ان کے اعتبار سے منفی سبب جو بنا وہ ہمارے یہاں کے حالات تھے۔ یہ دافع (Repellant) ثابت ہوئے۔ کچھ لوگوں نے یہاں آکر کوشش کی کہ کسی طرح قدم جم جائیں لیکن ثابت ہوا کہ یہاں کے بڑے افسروں کو یہ پسند نہیں تھا کہ کچھ ذہین اور قابل لوگ واپس آکر ان کی چودھراہٹ کو خطرے میں ڈالیں اور مختلف محکموں میں ان کی حیثیت ختم ہوجائے۔ گویا یہاں کے حالات نے روک دیا اور وہاں کی رعنائیوں نے کھینچ لیا جیسے اقبال نے اپنے ظریفانہ کلام میں کہا ہے۔

ہم مشرق کے مسکینوں کا دل مغرب میں جا اٹکا ہے
واں کنکر سب بلوری ہے یاں ایک پرانا مٹکا ہے

امریکہ میں مسلمانوں کے مسائل

یہ لوگ جب وہاں بس گئے تو ان کو تشخص کے بحران (Identity Crisis) کا سامنا ہوا کہ ہماری آئندہ نسلوں کا کیا ہوگا ' وہ تو اس بحر ذخار کے اندر گم ہوجائیں گے ' یہاں کی تہذیب و تمدن کے دھارے میں بہہ جائیں گے۔ اس طرح کا خوف بہت قوی (Potent) محرک عمل ہوتا ہے۔ میرا جو مضمون حال ہی میں نوائے وقت میں چھپا ہے اس میں میں نے بحث کی ہے کہ قیام پاکستان کے دو قسم کے محرکات تھے ' ایک مثبت ایک منفی۔ منفی جذبہ خوف کا احساس تھا۔ مسلمانان ہند کو یہ خدشہ تھا کہ اگر یہ ملک ایک وحدت کے طور پر آزاد ہوگیا تو سنگدل ہندو اکثریت (Brute Majority) ہمارے ساتھ انصاف نہیں کرے گی ' ہمارا استحصال کرے گی اور ہماری تہذیب و تمدن کو بھی ختم کردے گی۔ یہ خوف کا جذبہ بڑا قوی محرک تھا اور اسی نے پاکستان کے قیام میں سب سے بڑا کردار ادا کیا ہے۔ ایک دوسرا جذبہ بھی موجود تھا اور وہ احیائی امنگ تھی۔ تاہم منفی جذبے کا عمل دخل زیادہ تھا۔ یہ بات الگ ہے کہ پاکستان کے قیام کے بعد یہ نسبت تناسب برعکس ہوجانی چاہیے تھی۔ اس لئے کہ منفی جذبے کی بنیاد پر تعمیر نہیں ہوسکتی ' تعمیر تو مثبت جذبے کی بنیاد پر ہی ہوسکتی ہے۔ چونکہ ہم احیائے دین کا یہ کام نہیں کرسکے اس لئے موجودہ تشویش ناک صورت حال پیدا ہوئی۔ اس بارے میں امید وبیم کی جو کیفیت میں نے اپنے اخباری مضمون میں بیان کی جو اب "میثاق" میں بھی آگیا ہے ' اس میں میں نے اپنی کتاب "استحکام پاکستان" کے بڑے بڑے مباحث کو جو کئی ابواب پر پھیلے ہوئے ہیں ' بہت اختصار کے ساتھ بیان کیا ہے جس کا مطالعہ بہت مفید ہوگا۔

امریکہ میں اس جذبے کی کارفرمائی

غرض امریکہ کے نوجوان مسلمان خاص طور پر ڈاکٹروں میں جو خوف کا جذبہ پیدا ہوا ' اس نے انہیں مجبور کیا کہ وہ اپنی کوئی نہ کوئی ایسوسی ایشن ' آرگنائزیشن یا کمیونٹی سنٹر بنائیں۔ اس کے علاوہ اسلامک سنٹر قائم ہوں ' مسجدیں تعمیر ہوں اور ہم اپنے بچوں کو ان مراکز میں لے جائیں تو وہاں وہ دوسرے مسلمانوں سے ملیں اور انہیں پتہ چلے کہ ہمارا کس کمیونٹی سے تعلق ہے اور ہماری تہذیب یا ہمارا تمدن کیا ہے۔ پھر وہاں پر نماز پڑھیں اور دینی تعلیم کا بندوبست بھی ہو۔ یوں سب سے پہلے یہ کام ایم ایس اے یعنی مسلم سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن آف نارتھ امریکہ کے نام سے شروع ہوا۔ پھر اسی نے آگے بڑھ کر "اسنا" کی شکل اختیار کی یعنی اسلامک سوسائٹی آف نارتھ امریکہ۔ اس کے بعد اس کی کئی ذیلی تنظیمیں بن گئیں جن میں سے ایک آئی ایم اے آف نارتھ امریکہ یعنی اسلامک میڈیکل ایسوسی ایشن آف نارتھ امریکہ ہے۔ اس میں جو حضرات زیادہ فعال ہیں ' ان کے ساتھ میرا ایک بہت پرانا مراسم کا سلسلہ چل رہا ہے۔ انہوں نے پچھلی مرتبہ بھی مجھے ہسپانیہ بلایا اور اس کا مجھے بہت فائدہ ہوا تھا۔ بعد میں آکر میں نے متعدد تقاریر اسی موضوع پر کی تھیں۔ اس سے پہلے میں نے ہسپانیہ کی تاریخ اتنی تفصیل سے پڑھی ہی نہیں تھی لیکن چونکہ ہسپانیہ کے مسلمانوں کے عروج و زوال پر وہاں مجھے تقریر کرنی تھی اس لئے خاصا مطالعہ کرنے کی ضرورت پیش آئی۔

انہی حضرات نے جیسے پہلے چیف گیسٹ (مہمان خصوصی) کی حیثیت سے بلایا تھا ' اس مرتبہ بھی مہمان خصوصی کے طور پر دعوت دی۔ چنانچہ ان کا جو سب سے بڑا فنکشن بنکوئٹ یعنی عشائیے کا ہوتا ہے ' اس میں میری تقریر تھی اور اس مرتبہ یہ تقریر خلافت کے موضوع پر تھی۔ اگرچہ والدہ صاحبہ کی بیماری کے باعث اور کچھ دوسرے حالات کی وجہ سے میں جانا نہیں چاہتا تھا لیکن انہوں نے بہت اصرار کیا اور دلیل دی کہ تم نے پاکستان میں تو تحریک خلافت شروع کی ہے لیکن اس ملک میں جو چار سو سال تک خلافت اسلامی کا گہوارہ رہا اور جہاں سے خلافت ختم کی گئی ' وہاں تمہیں اپنا پیغام پہنچانے کا جو موقعہ مل رہا ہے اسے ضائع نہ جانے دو اور اپنے معاملات اللہ کے ہاتھ میں چھوڑ کر چلے آؤ۔ بہرحال یہ اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہوا کہ والدہ صاحبہ کی حالت اگرچہ بہت خراب تھی لیکن انہی دنوں بہتر ہوئی اور پروگرام بگڑتے بگڑتے بن گیا۔

میرے یورپ کے دو یادگار سفر

میرے ان دو سفروں میں بڑی مماثلت ہے۔ ایک بات یہ کہ یورپ دنیا کا ایک بہت اہم براعظم ہے اور دنیا کی تہذیب کا گہوارہ بھی وہی ہے۔ وہیں مختلف مکتبہ ہائے فکر ابھرے ' سائنس اور ٹیکنالوجی کا ارتقاء ہوا ' ریاست کے بارے میں جدید تصورات ' جمہوریت ' کمیونزم ' سوشلزم اور دوسرے نظام پروان چڑھے۔ اس براعظم کا بالکل جنوب مغربی کونہ سپین ہے اور اسی کا جنوب مشرقی سرا استنبول ہے۔ پرانا قسطنطنیہ استنبول کہلاتا ہے۔

ہماری تاریخ کے دور اول میں عربوں کے زیر قیادت مسلمان سپین کے راستے یورپ میں داخل ہوئے۔ جبل الطارق پر اترے اور فرانس کے بالکل قلب تک پہنچ گئے۔ یہ پہلا دور تھا۔ اس کے بعد زوال آیا اور پھر دوسرا عروج ترکوں کی زیر قیادت ہوا۔ اس بار استنبول سے داخل ہوئے اگرچہ خود استنبول کا قلعہ داخلے سے ذرا بعد فتح ہوا۔ پھر یہ ویانا تک پہنچ گئے۔ آپ اندازہ کریں کہ مشرقی یورپ کا کتنا بڑا رقبہ ان کے زیر نگیں اور خلافت عثمانیہ میں شامل تھا۔ یہ ایک مماثلت ہے۔ پھر سپین سے مسلمانوں اور اسلام دونوں کا خاتمہ ہوگیا اور ایسا خاتمہ ہوا کہ قرآن مجید میں عذاب استیصال یعنی جڑ کاٹ دینے والے عذاب کے جو الفاظ آئے ہیں انہی کا انطباق یہاں ہوتا ہے۔ "کان لم یغنوا فیھا" یعنی ایسے ہوگئے جیسے کبھی تھے

ہی نہیں " لا یری الا مساکنھم " اب ان کے مسکن یا محل ہی نظر آرہے ہیں ۔ جامع قرطبہ دیکھ لیجئے یا الحمراء دیکھ لیجئے لیکن جو لوگ ان میں فروکش تھے ' ان کا نام و نشان مٹ گیا ۔ نہ ان کی نسل رہی نہ ان کا کوئی بچہ باقی رہا ۔ وہاں معاملہ اس انتہا کو پہنچ گیا لیکن یہاں یہ کہا جاسکتا ہے کہ اسلام کا کم سے کم قانونی اور دستوری سطح پر خاتمہ ہوگیا البتہ جغرافیائی اعتبار سے یورپ کا کچھ نہ کچھ حصہ مسلمانوں کے پاس رہ گیا ہے کیونکہ اس وقت کے ترکی کا ستانوے فی صد حصہ ایشیا میں اور صرف تین فی صد یورپ میں ہے ۔ اسی جنوب مشرقی حصے کا کسی وقت ایک ٹکڑا بوسنیا ہرزیگووینا تھا جس میں مسلمانوں کو ختم کرنے کی اسی طرح کوشش ہورہی ہے جس طرح کبھی وہ سپین میں ختم کئے گئے ۔ باقاعدہ وہی تاریخ دہرانے کا پورا اہتمام ہو رہا ہے لیکن یہ بات ظاہر ہے کہ یہ علاقے ترکوں کے دور میں ہی مسلمان مملکت میں شامل ہوئے تھے جہاں آج مسلمان آباد ہیں ۔

عربوں کا زوال اور ترکوں کا عروج

میرے دونوں سفروں میں دو مماثلتیں تھیں ۔ اولاً یہ کہ مجھے مدعو کرنے والی تنظیم ایک ہی ہے ثانیاً یہ کہ یورپ میں مسلمانوں کے عروج و زوال کے جو دو مرکز رہے ہیں ' اس تنظیم کے ذریعے سے اللہ نے ان دونوں کو دیکھنے کا موقعہ عطا فرمادیا ۔ میں چاہتا ہوں کہ لگے ہاتھوں ترکی کی تاریخ کی چند نمایاں باتیں بھی آپ کے سامنے آجائیں ۔ آج سے سات سو سال قبل تیرھویں صدی عیسوی میں خلافت بنو عباس کا خاتمہ ہوا ۔ ۱۲۵۸ء میں تاتاریوں کے ہاتھوں بغداد کی تباہی ہوئی اور خلافت بنو عباس کا چراغ گل ہوگیا تھا ۔ اس کے نتیجے میں عربوں کی سیادت و قیادت ختم ہوگئی اور جو خلا پیدا ہوا وہ اس قوم نے پر کیا جس کے ہاتھوں یہ عذاب آیا تھا ۔

ہے عیاں فتنہ تاتار کے افسانے سے
پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے

ایک عبوری دور تو ایسا گزرا جس میں طوائف الملوکی تھی ۔ ظاہر ہے کہ جب کوئی بہت بڑی تہذیب یا سلطنت مٹتی ہے تو دوبارہ اس کی جگہ کسی ڈھانچے کے کھڑا ہونے میں کچھ وقت لگتا ہے چنانچہ اس دور میں چھوٹے چھوٹے سلطان ' امراء اور چھوٹی چھوٹی حکومتیں پورے عالم اسلام میں موجود رہیں ۔ ہم ترکوں اور مغلوں کو علیحدہ سمجھتے ہیں حالانکہ مغل بھی ترک ہیں ۔ یہ ترکوں کی نسلیں ہیں ۔ ترکان تیموری کو ہم مغل کہتے ہیں جن کی بہت بڑی سلطنت ہندوستان میں قائم ہوئی ۔ ترکان صفوی کی حکومت ایران میں بنی ۔ ترکان سلجوقی سب سے پہلے اسلام میں داخل ہوئے ۔ وہ خلافت بنو عباس کے دور ہی میں کافی قوی ہوچکے تھے ۔ ان کی حکومتیں چھوٹے چھوٹے علاقوں میں قائم ہوگئی تھیں ۔ اس زمانے میں عالم اسلام کے مشرق و مغرب میں سب سے مضبوط حکومتیں غلاموں کی حکومتیں تھیں ۔ ہندوستان میں ۱۲۰۶ء میں دلی کے تخت پر بیٹھنے والے قطب الدین ایبک غلام تھے ۔ اسی طرح التمش بھی خاندان غلاماں میں سے تھے ۔ ادھر مصر میں ممالیک کی حکومت تھی ۔ ممالیک ' مملوک یعنی غلام کی جمع ہے ۔ ہندوستان میں کئی دور آئے ۔ پہلے خاندان غلاماں پھر خلجی ' لودھی اور سادات خاندانوں کی حکومتیں تین سو سال تک رہیں یعنی ۱۲۰۶ء سے ۱۵۲۶ء تک ۔ پھر ۱۵۲۶ء میں مغل آئے ۔ کہنے کو تو وہ ۱۸۵۷ء تک رہے لیکن ان کی عظمت کا دور بس ڈیڑھ سو برس ہے ۔ ان کے چھ بادشاہ بابر ' ہمایوں ' اکبر ' جہانگیر ' شاہ جہاں اور اورنگزیب صحیح معنوں میں حکمران تھے ' ان کے بعد ہندوستان میں بھی طوائف الملوکی ہوگئی ۔

سلطنت عثمانیہ کی بنیاد

اسی تیرھویں صدی کے اختتام کے قریب ۱۲۸۸ء میں طغرل بیگ کے بیٹے ترک سردار عثمان بیگ نے موجودہ ترکی کے ایشیائی حصے کے بھی شمال مغربی کونے میں ایک چھوٹی سی حکومت قائم کی ۔ اگرچہ اس تمام علاقے میں مسلمانوں ہی کی حکومتیں قائم تھیں جیسے کہ ترکی ہی کے ایشیائی علاقے اناطولیہ کی حکومت ' لیکن عثمان بیگ نے اس کے ایک کونے میں اپنی حکومت قائم کی تھی ۔ یاد رہے کہ عثمانی ترکوں کا حضرت عثمانؓ کے ساتھ کوئی تعلق نہیں اگرچہ بڑے بڑے پڑھے لکھے اور امریکہ کے ڈاکٹر بھی اس مغالطے میں مبتلا پائے گئے کہ یہ حضرت عثمانؓ کی نسل سے ہیں ۔ جس طرح بنو عباس حضرت عباسؓ کی اولاد سے ہیں ' اس طرح کا کوئی معاملہ ترکان عثمانی کے ساتھ نہیں ۔ یہ حکومت ۱۲۸۸ء سے لے کر آج تک ایک تسلسل کے ساتھ قائم ہے ۔ اس میں کوئی رخنہ پیدا نہیں ہوا اور عروج و زوال اسی عرصے میں آئے ۔ کبھی یہ حکومت پھیل گئی ' کبھی سکڑ گئی ۔ آج بھی پورا ایشیائے کوچک بشمول تین فی صد یورپی حصے کے ترکی میں شامل ہے

خلافت عثمانیہ

اسی مملکت میں پورے چار سو برس تک خلافت رہی ۔ اگرچہ حکومت کو تو سات سو سال ہوچکے ہیں لیکن خلافت ۱۵۲۰ء میں قائم ہوئی ۔ اس وقت انہوں نے حجاز اور مصر کو بھی فتح کرلیا تھا ۔ تب یہ عظیم ترین سلطنت تین براعظموں پر پھیلی ہوئی تھی اور دنیا میں کوئی اور سلطنت اتنی عظیم نہیں تھی ۔ اس میں حجاز ' یمن ' شام ' عراق ' فلسطین ' مصر ' لیبیا ' الجزائر ' تیونس اور پورا ایشائے کوچک شامل تھا ۔ اس کے علاوہ وہ بلقانی ریاستیں ' ہنگری اور یوگوسلاویہ بھی اسی سلطنت کا حصہ تھیں جو تین براعظموں پر محیط تھی ۔ خلافت کا آغاز یہاں ۱۵۲۰ء میں ہوا جو ۱۹۲۰ء سے لے کر ۱۹۲۴ء تک درجہ بدرجہ ختم ہوئی ہے ۔ یہ بات اہم ہے کہ بقیہ خلافتوں یعنی خلافت بنو امیہ اور خلافت بنو عباس کو تو چیلنج کرنے والے سامنے آئے تھے ۔ مثلاً بنو امیہ کی خلافت کو پہلے حسینؓ ابن علیؓ نے چیلنج کیا ' پھر حضرت عبداللہؓ بن زبیرؓ نے ۔ اسی طرح خلافت بنو عباس کی مخالفت کرنے والے حضرت زیدؒ تھے جو کہ حضرت حسنؓ کی اولاد میں سے تھے ۔ پھر انہی کی اولاد میں سے نفس زکیہؒ اٹھے جن کا اصل نام محمد ابن عبداللہ ہے ۔ تاہم پورے چار سو برس میں پورے عالم اسلام میں ترکوں کی خلافت کو کسی نے چیلنج نہیں کیا ۔ یہ خلافت سارے عالم اسلام کی متفق علیہ خلافت تھی اور اگرچہ پورا عالم اسلام ان کی سلطنت میں شامل نہیں تھا لیکن سب ان کی خلافت کو مانتے تھے ۔ جہاں کہیں بھی حکومت تبدیل ہوتی ' یہیں سے سند حکومت منگوائی جاتی اور سارے عالم اسلام میں خطبوں میں خلیفہ کا نام لیا جاتا تھا ۔ چار سو سال تک اس شان سے غیر متنازعہ طور پر خلافت کا قائم رہنا ایک غیر معمولی بات تھی ۔

موجودہ ترکی اور عروس البلاد استنبول

ترکی کا اناطولیہ بہت بڑا علاقہ اور ملک کے رقبہ کے ۹۷ فی صد ہے ۔ صرف تین فی صد یورپ

میں آتا ہے ۔ ترکی کی آبادی تقریباً ساڑھے پانچ کروڑ ہے ۔ آبادی کے لحاظ سے یہ پاکستان کا تقریباً نصف ہے ۔ اس میں سے ایک کروڑ کے لگ بھگ افراد صرف ایک شہر استنبول میں رہتے ہیں ۔ پورا ملک سطح مرتفع ' نہایت زرخیز اور سرسبز وشاداب ہے ۔ اونچائی نیچائی قابل دید ہے لیکن ہر جگہ سبزہ موجود ہے ۔ بکثرت دریا ہیں اور جابجا میٹھے پانی کی جھیلیں ملتی ہیں ۔ ان کی ضرورت کی ہر شے خود اپنے وطن میں موجود ہے ۔ گویا ہر اعتبار سے خود کفیل ملک ہے کہ اللہ نے دنیا کی ہر شے عطا کی ہے ۔ ہم نے اس کے ایک شہر استنبول میں چھ دن گزارے جو دنیا کے خوبصورت ترین شہروں میں سے ہے اور یورپ وایشیا کے سنگم پر واقع ہے ۔ بحر مرمرہ ایک سمندر ہے جو پورا کا پورا ترکی کی جغرافیائی حدود کے اندر ہی واقع ہے ۔ ایک چھوٹی سی آبنائے باسفورس اس کو بحیرہ اسود کے ساتھ ملاتی ہے جبکہ جنوب میں پانی کی ایک لمبی سی گلی درہ دانیال کہلاتی ہے جو اس کو بحیرہ روم سے ملاتی ہے ۔ ان دونوں کے درمیان بحیرہ مرمرہ ایشیائی ترکی اور یورپی ترکی کے مابین حائل ہے ۔

دو براعظموں میں پھیلا ہوا استنبول ویسے ہی ایک بہت خوبصورت شہر ہے ' لیکن اگر مسلمانوں کی سلطنتوں کی عظمت پارینہ دیکھنی ہو تو دنیا کا کوئی اور شہر اس کا ہم پلہ نہیں ۔ وہاں کی مسجدیں انتہائی عظیم اور خوبصورت ہیں اگرچہ اس وقت ان کی دیکھ بھال کا مناسب انتظام نہیں اور وہ ایک حد تک خستہ حال ہوچکی ہیں ۔ حضرت ابوایوب انصاریؓ کا مقبرہ بھی باہر سے بہت خستہ حالت میں ہے ۔ اس کے ساتھ کی مسجد میں ہم نے مغرب کی ایک نماز ادا کی لیکن محسوس یہی ہوا کہ نماز میں وہی ڈاکٹروں کا گروپ نمایاں ہے جو امریکہ سے آیا ہوا تھا کیونکہ مقامی آبادی بہت کم بلکہ نہ ہونے کے برابر تھی ۔ چنانچہ عظمت پارینہ دیکھنی ہو تب بھی وہیں جایئے اور اسلام کی بیچارگی دیکھنی ہو تب بھی وہیں جاکر دیکھئے ۔ وہاں یہ دونوں انتہائیں بیک وقت موجود ہیں ۔ ہماری بادشاہی مسجد تو صرف صحن کے رقبہ کی وجہ سے دنیا کی بڑی مسجد ہے لیکن وہاں مسجدوں کے اتنے اونچے اور وسیع و عریض ہال سلاطین عثمانیہ نے بنائے ہیں جنہیں دیکھ کر انسان دنگ رہ جاتا ہے ۔ جامع سلطان محمد فاتح پھر سلطان سلیمان کی مسجد اور انہی کا ذکر کیا' سبھی قدیم مساجد اپنی اپنی جگہ پر عظمت کے بڑے بڑے نشان ہیں ۔

اصل ترکی برصہ میں دیکھا

ایک دن کے لئے ہم برصہ گئے جو استنبول سے ڈیڑھ دو سو میل کے فاصلے پر ایشیا میں ہے ۔ یہ پرانا بروصہ ہے اور طغرل کے بیٹے عثمان نے اپنی چھوٹی سی سلطنت قائم کی تو پہلا دارالحکومت یہی تھا ۔ یہاں کے حالات بالکل مختلف دکھائی دیئے ۔ اس شہر میں سلطان بایزید یلدرم کی بنائی ہوئی مسجد بہت عالیشان ہے اور آج بھی بہت آباد ہے ۔ ہم نے وہاں ظہر کی نماز پڑھی اور وہاں کی حاضری دیکھ کر حیران رہ گئے ۔ محسوس ہوتا تھا کہ یہ جمعہ کا اجتماع ہے ۔ ظہر کی اذان سے بھی پہلے کثیر تعداد میں مقامی لوگ موجود تھے ۔ اتنا تفاوت بھی دنیا میں شاید ہی آپ کو کہیں نظر آئے کہ استنبول میں حضرت ابوایوب انصاریؓ کی مسجد بھی ویران پڑی ہے اور بروصہ میں ظہر کی نماز جمعے کی نماز محسوس ہورہی ہے ۔ پھر پاکستانیوں سے انتہائی محبت بھی استنبول کی بجائے بروصہ میں نظر آتی ہے ۔ استنبول تو پوری طرح مغربی تہذیب کے اندر گم ہو چکا ۔ وہاں آپ محسوس نہیں کرسکتے کہ یہ کوئی مسلمان ملک ہے ۔

جیسا کہ میں نے عرض کیا ' اللہ نے انہیں مادی وسائل کے خزانے عطا کئے لیکن معاشی حالات نہایت ناگفتہ بہ ہیں ۔ کرنسی کی قیمت تیزی کے ساتھ گری اور افراط زر میں بے تحاشا اضافہ ہوا ۔ ہر مہینے ان کی کرنسی کی قیمت گر رہی ہے اور یہودیوں نے ان کی معیشت کو اپنے چنگل میں لے رکھا ہے ۔ وہاں اشیائے صرف مثلاً کھانے' کپڑے اور روزمرہ کی الا بلا چیزوں کی بے تحاشا کھپت ہے جن سے مارکیٹ بھری ہوئی ہے ۔ ایک اور تفاوت یہ ہے کہ خنزیر حرام ہے لیکن شراب پانی کی طرح دستیاب ہے ۔ ایک دلچسپ بات جو حضرت ابوایوبؓ کی مسجد کی طرف جاتے ہوئے ہمارے گائیڈ نے بتائی ' یہ تھی کہ یہاں کے تمام ریستورانوں میں شراب عام ملتی ہے لیکن رمضان میں یہ بالکل بند ہوجاتی ہے ' رمضان میں ہم شراب نہیں پیتے ۔ اس نے ہمارے سوال کے جواب میں بتایا کہ رمضان کے علاوہ تو ہم سب پیتے ہیں ۔ اس بارے میں ان کے ہاں نہ ضمیر کی کوئی ملامت ہے نہ شرمندگی اور نہ گناہ کا احساس ۔ اس پر میں نے کہا کہ کاش کوئی ایسی شکل بن جائے کہ سارا سال رمضان ہی رہے!

جدید ترکی کی تاریخ

اب کچھ باتیں میں جدید ترکی کے بارے میں بتانا چاہتا ہوں ۔ جدید ترکی پہلی جنگ عظیم کے بعد وجود میں آیا ۔ اس کا بانی مصطفیٰ کمال پاشا تھا ۔ ایک اعتبار سے اس کی شخصیت بھی تضادات کا مجموعہ ہے ۔ ایک پہلو سے میں بھی اسے مسلمانوں کا محسن سمجھتا ہوں ۔ ترکی کو بچانے والا شخص وہی ہے ۔ اگرچہ اصل میں تو مشیت ایزدی ہی فیصلہ کن ہوتی ہے لیکن عالم اسباب میں بھی کچھ وجوہات بنتی ہیں ۔ جیسے دو شخصیات علامہ اقبال اور قائداعظم کی وجہ سے پاکستان وجود میں آیا اسی طرح جدید ترکی کا بانی اور ترکی کو بچانے والا مصطفیٰ کمال تھا ۔ اس زمانے میں یورپ میں ترکوں کے خلاف انتہائی نفرت اور انتقام کے جذبات پائے جاتے تھے کیونکہ وہ مسلمان تھے اور انہوں نے طویل عرصہ اتنے بڑے رقبے پر حکومت کی تھی ۔ چنانچہ تمام دول یورپ تلی ہوئی تھیں کہ ترکی کا نام و نشان مٹا دیا جائے ۔ تاہم اللہ نے ایک شخص کو اٹھایا جو ترکی کو ایک ملک کے طور پر بچانے میں کامیاب ہوگیا ۔ اگرچہ سلطنت عثمانیہ ختم ہوگئی اور خلافت کی بساط بھی لپیٹ دی گئی لیکن ترکی کے نام سے ایک ملک باقی رہ گیا ۔ اس کا سب سے بڑا خراج تحسین مصطفیٰ کمال کو جاتا ہے ۔ دوسرے اعتبار سے اسلام کی جڑیں کھودنے والا اس سے بڑا کوئی شخص شاید اس صدی میں پیدا نہ ہوا ہو ۔

چند بنیادی چیزیں ہمیں سوچ سمجھ کر اپنے فکر کے اندر مستقل طور پر ٹانک لینی چاہیں ۔ آج کے دور میں آپ کو ایسی ہی شخصیتیں ملیں گی جن میں کوئی خیر ہے تو شر بھی ہے اور اگر کوئی شر ہے تو ساتھ کوئی خیر بھی ہے ۔ ہمارا ذہنی رویہ یہ بن گیا ہے کہ کسی کے ساتھ محبت ہے تو وہ سراپا خیر ہے اور اس کا کوئی شر نظر نہیں آتا اور اگر کسی سے دشمنی ہوگئی تو وہ شر ہی شر ہے ' اس کا کوئی خیر دکھائی نہیں دیتا ۔ یہ طرز فکر بہت غلط ہے ۔ ہمیں نظر آئے کہ کسی شخص میں کوئی شر ہے تو اس کے خیر کو بھی ماننا چاہیے ۔ تول کر اندازہ کیجئے 'اگر خیر غالب ہے تو اس شخص کی بہر حال عزت ہونی چاہیے اور اس کے خیر کو اپنے لئے بھی خیر کا ذریعہ بنایا جائے ۔ یہ نہ ہو کہ اس کے ساتھ ذاتی نفرت کی وجہ سے آپ اس کے خیر سے محروم رہ جائیں

۔ یوں اس کا تو کچھ نہیں بگڑے گا لیکن آپ اس کے خیر سے محروم رہ جائیں گے ۔ اس اعتبار سے مصطفیٰ کمال کی شخصیت کے اچھائی والے پہلو کو بھی یاد رکھنا ہوگا۔ ہمارے ہاں سرسید احمد خان انہی تضادات کا مجموعہ ہیں ۔ ایک طرف وہ مسلمان قوم کے محسن ہیں تو دوسری طرف عقائد میں نقب زنیاں بھی کی ہیں ۔ انکار حدیث اور استخفاف سنت کے سارے فتنوں کی جڑیں اصل میں سرسید احمد خان کے بوئے ہوئے بیج سے نکلی ہیں ۔ پرویزیت ' مشرقیت' چکڑالویت' سب کی جڑیں سرسیداحمد خان کے فتنے میں ہیں ۔ یہ سب تضادات ہونے کے باوجود ہمیں دیکھنا ہوگا کہ شر کہ ہے اور خیر کتنا ہے۔ "خذ ما صفی دع ما کدر"

اتاترک کی چیرہ دستیاں

مصطفیٰ کمال پاشا نے اسلامی لباس ختم کر کے یورپی لباس لازم کردیا ' عورتوں کے لئے کسی طرح بھی سر کو ڈھانپنا جرم قرار دیا ' مردوں کے لئے ہیٹ پہننا لازم ٹھہرایا' زبان کو ایسا بدلا کہ اس کے حروف تہجی رومن کر دیئے جس کی وجہ سے وہ علیحدہ زبان بن گئی ورنہ اس میں بیشتر الفاظ ایسے تھے جو خاص طور پر اردو جاننے والوں کے لئے بہت ہی مانوس تھے ۔ پھر وہ حروف تہجی صرف انگریزی کے نہیں بلکہ ان کی مختلف شکلیں بنا رکھی ہیں ۔ جس وقت میں اپنے اشارات لکھ رہا تھا تو خیال آیا کہ یہی معاملہ برصغیر میں ہوا ہے ۔ دو سو سال پہلے بنگلہ بھاشا بھی اردو کے حروف میں لکھی جاتی تھی ۔ بنگلہ بھاشا کو فارسی کے رسم الخط میں لکھا جائے تو اس میں اور اردو میں کتنا فرق رہ جائے گا لیکن سکرپٹ (Script) کی وجہ سے زبان علیحدہ ہوگئی ۔ یہی معاملہ سندھی کا ہوا ۔ کاش کہ کوئی ایسی حکومت آئی ہوتی جو پنجابی 'سندھی ' اردو' پشتو اور بلوچی زبانوں کو ایک ہی جیسے حروف تہجی سے لکھنے کا بندوبست کرتی کہ زبانیں رہیں اپنی جگہ پر لیکن لکھی ایک ہی سکرپٹ میں جائیں ۔ سندھی زبان ہم اس لئے نہیں پڑھ سکتے کہ اس میں کچھ حروف تہجی ایسے ہیں جن سے ہم واقف نہیں ۔ سندھی زبان کا یہ طرز تحریر بھی انگریزوں کے زمانے میں اختیار کیا گیا جس کے بعد عام اردو دان کے لئے سندھی پڑھنا مشکل ہوگیا۔ ان چیزوں کے بڑے دور رس اثرات ہوتے ہیں ۔ کاش ہم نے ایسا ہی کیا ہوتا ' کاش اب بھی کسی کو ہوش جائے کہ یہاں کی زبانوں کا طرز تحریر ایک ہوجائے ۔ اردو کے بہت سے حروف سندھی میں پہلے ہی مستعمل ہیں جیسے بھ ' تھ ' جھ ' چھ وغیرہ ۔ سب زبانوں کی ایک کھچڑی بنالیں تو چند سالوں میں بڑا قرب پیدا ہوجائے گا۔

مصطفیٰ کمال نے ایک اور کام دستور اور قانون کی سطح پر اسلام کی جڑ کھود کر کیا جس کی شاید کوئی اور مثال دنیا میں نہ ملے ۔ ترکی کے دستور کی پہلی تین دفعات نے اسلام کا خاتمہ کردیا ۔ پہلی دفعہ یہ ہے کہ یہ جمہوری ریاست ہے ' دوسری دفعہ یہ کہ یہ خالص سیکولر ریاست ہے ' اس کا مذہب سے کوئی تعلق نہیں ۔ تیسری دفعہ میں نام ہے ' جھنڈا ہے اور یہ کہ دارالحکومت کون سا ہوگا ۔ چوتھی دفعہ یہ ہے کہ پہلی تین دفعات کبھی قیامت تک بدلی نہیں جاسکتیں اور جو کوئی ان کو بدلے گا وہ باغی شمار ہوگا ۔ ایسا راستہ روکا ہے کہ کوئی اسلامی تحریک اپنے اصل نام سے وہاں چل ہی نہیں سکتی اس لئے کہ یہ تو سیکولرازم کی خلاف ورزی ہوگی ۔ کوئی ادارہ چونکہ آپ اسلامی نام سے شروع نہیں کرسکتے لہٰذا کچھ دیندار لوگوں نے وہاں سیاسی انداز میں کام کرنے کی کوشش بھی کی تو اس پارٹی کا نام صراط مستقیم رکھا ۔ صراط مستقیم سے آپ سمجھ لیں کہ اسلامی پارٹی ہوگی ورنہ نام اسلامی نہیں رکھ سکتے۔ گویا کہ دستوری اعتبار سے اور قانونی سطح پر ترکی میں اسلام کی جڑ پوری طرح کاٹ دی گئی ہے ۔ ایک قریب ترین مثال الجزائر میں ہوسکتی ہے اگرچہ وہاں ابھی معاملہ معلق ہے لیکن اور کہیں اس طرح کی مثال موجود نہیں ۔ اس کا عکسی مقابل ہمارے ہاں پایا جاتا ہے کہ قرارداد مقاصد کی ایک جگہ ہے جس کو کوئی بھی دستور سے نہیں نکال سکا چاہے وہ بھٹو صاحب ہوں یا ان کی بیٹی ۔ ضیاء الحق صاحب اس کو کھینچ کر دستور کے اندر لے آئے ۔ اب بھی عدالتوں میں ہمارے ہاں یہ اختلاف چل رہا ہے کہ قرارداد مقاصد دستور کے اندر آگئی لیکن بقیہ دستور تو اس کے خلاف ہے ۔ اب ان میں سے کس کو سمجھا جائے کہ وہ دوسرے کی نفی کرے گی ۔اگر یہ قرارداد دستور کا جز بن گئی ہے تو باقی کوئی بھی دستوری دفعہ جو اسلام کے خلاف جاتی ہو ' کالعدم ہوجائے گی ۔ دوسرا نظریہ یہ ہے کہ دوسری دفعات کی طرح یہ بھی ایک دفعہ ہی ہے ۔ تاہم قرارداد مقاصد کو نکال کوئی نہیں سکا۔

خالص سیکولر دستور

ترکی میں سیکولرازم کو دستور کے اندر اس قدر پیوست کردیا گیا ہے کہ اس کے خلاف بات کرنا گویا کہ بغاوت ہے ۔ پھر اس کی سب سے بڑی محافظ فوج ہے ۔ فوج اور ہر بات برداشت کرلے گی لیکن سیکولرازم کے خلاف کوئی آواز سننے کی روادار نہ ہوگی ۔ اس صورت حال کے بھی دو رخ ہیں ۔ میری یہ بات عجیب معلوم ہوگی کہ اس میں بھی ایک اچھائی کا پہلو ہے ۔ اگرچہ ایک اعتبار سے تو اس سے زیادہ اندوہناک بات اور کیا ہوگی کہ اسلام "دین" ہے اور اس کو آپ "مذہب" بنا کر رکھ دیں اور پھر طے کردیں کہ ہمارے ریاستی معاملات سے اسلام کا کوئی تعلق نہیں ۔ اس میں آپ چاہے فتویٰ نہ لگائیں لیکن یہ کھلم کھلا کفر ہے جیسے قرآن مجید میں فرمایا گیا کہ "کیا تم کتاب کے ایک حصے کو مانتے اور دوسرے حصے کا انکار کرتے ہو ۔ تو جس نے ایسا کیا اس کا انجام اس کے سوا کیا ہوگا کہ دنیا میں اس کو رسوائی ملے گی اور قیامت کے دن شدید ترین عذاب کی طرف لوٹا دیئے جائیں گے "۔ تاہم ایک اور پہلو سے یہ صورت حال ہماری کیفیت سے بہتر ہے ۔ ہم منافقت کررہے ہیں اور وہاں کم سے کم منافقت نہیں ۔ جو بات ہے ' کھلم کھلا کہی جانی چاہیے۔ ہم ۴۵ سال سے قرار داد مقاصد کو لئے بیٹھے ہیں حالانکہ اس کا معاشرے سے کوئی تعلق نہیں جبکہ اس میں کہا گیا تھا کہ حکومت یہاں کے شہریوں کو اسلام کے مطابق زندگی گزارنے کے لئے سہولتیں دے گی ۔ سودی نظام جوں کا توں چلا آرہا ہے ۔ اب شریعت کورٹ نے ہمت کر کے فیصلہ دے ہی دیا تو حکومت کچھ لیت و لعل ' کچھ دوسرے حربے آزما کے اور سپریم کورٹ میں اپیل دائر کر کے آرام سے بیٹھ گئی ہے۔ عملاً ہو وہی رہا ہے لیکن منافقانہ انداز میں۔

وہاں منافقت نہیں

اس صورت حال کے تناظر میں مجھے ایک بات یاد آئی کہ پاکستان کی ایک غیر مسلم کمیونٹی کے بارے میں جو کراچی میں زیادہ آباد ہے ' مجھے معلوم ہوا کہ ان کے ہاں جنسی بے راہ روی بہت ہے لیکن میں جب ان کی خواتین کو دیکھتا تو ان کے چہروں پر گناہ کے اثرات نظر نہ آتے تھے میں حیران تھا کہ اس کی وجہ کیا ہے ؟۔ اچانک خیال

آیا کہ جس قوم کے اندر اصول ہی یہ ہو' اس میں ضمیر کی ملامت نہیں ہوگی۔ اصل میں جب انسان کسی کام کو گناہ سمجھتے ہوئے بھی کرتا ہے تو اس پر اس کا ضمیر ملامت کرتا ہے اور اس کے چہرے پر ایک مخصوص نحوست اور ملامت آجاتی ہے۔ ایک مسلمان شراب پیے گا تو ضمیر کا مجرم ہوگا لیکن ایک امریکی شراب پیے تو کوئی ملامت یا ضمیر کی خلش نہیں ہوتی اس لئے کہ وہ اسے حرام سمجھتا ہی نہیں۔ جو حرام سمجھے اور پیے اصل میں وہ زیادہ بڑا مجرم ہے۔ اسی طرح جہاں جنسی پابندی کا کوئی تصور ہی نہ ہو اور اصول یہ بن جائے کہ جیسے پیاس لگنے پر پانی پی لیا ایسے ہی جنسی خواہش جہاں سے ہوسکے پوری کرلی جائے تو اس سے مجرم ضمیر پیدا ہی نہیں ہوگا۔

کچھ ایسا ہی معاملہ میں نے ترکی میں محسوس کیا کہ انہوں نے اگرچہ مذہب کو ایک گوشے میں رکھ دیا ہے لیکن ان میں نفاق نہیں ہے۔ قول اور عمل کا یہ تضاد نہیں کہ کہیں تو یہ کہ اسلام ہی مکمل ضابطہ حیات ہے' ہم اسلام ہی نافذ کریں گے' " و نحن فداء ا لا سلام بارو احناو ا جسادنا" اور عمل وہ ہو جو ۴۵ سال سے چلا آرہا ہے۔ یہ منافقت ہے اور فی الحقیقت زیادہ خطرناک ہے۔ منافقین پر قرآن مجید میں اللہ کا جو غضب بھڑکتا ہے وہ کفار پر نہیں بھڑکتا۔ میں نے محسوس کیا کہ اس پہلو سے یہ لوگ بہتر ہیں۔ ہم جو کر رہے ہیں اس سے قومی سطح پر نفاق کا شکار ہوگئے ہیں۔ میں نے "نوائے وقت" کے اپنے کالم میں لکھا ہے کہ قومی سطح پر ہم نے اللہ کے ساتھ بے وفائی کی اور وعدہ خلافی کی ہے۔ سورۂ توبہ کی آیات ۷۰ تا ۷۳ سے جب بھی گزرتا ہوں' لرز اٹھتا ہوں اس لئے کہ ان میں چند الفاظ ایسے ہیں جو واقعہ" بہت خوفناک ہیں۔" جو لوگ اللہ کے ساتھ وعدہ کر کے وعدہ خلافی کرتے ہیں ان کے دلوں میں ہم نفاق ڈال دیتے ہیں اور یہ نفاق رہے گا اس دن تک جس دن کہ وہ ہمارے پاس آئیں گے' یہ ختم نہیں ہوگا کبھی بھی" یہ ہیں وہ الفاظ جو میرے لئے سب سے زیادہ دہشت ناک ہیں کہ کیا اس قوم کا حشر واقعی یہ ہوگا؟۔ کیا یہ نفاق کبھی ختم ہونے والا نہیں؟۔ " ہم نے ان کو سزا دی قیامت کے دن تک" ۔ اللہ کے ساتھ وعدہ کر کے خلاف ورزی کرنا کتنا بڑا جرم ہے!۔ اللہ ہمیں توفیق دے کہ اجتماعی سطح پر ہم توبہ کرسکیں۔

یورپ اور سیکولر ترکی

ترکی میں نفاق کی عدم موجودگی میں ممکن ہے کہ کوئی بہتری کی شکل پیدا ہوجائے۔ یورپ کو تو موجودہ ترکی بھی اسلام کی اس حالت کے ساتھ قبول نہیں ہے۔ ترکی ہر طرح سے چاہتا ہے کہ ہمیں یورپ میں شامل کرلیا جائے' یورپی کامن مارکیٹ اور وحدت یورپ کا پورا نظام جو بن رہا ہے' اسی میں پرولیا جائے لیکن وہاں بار بار ایسی چیزیں چھپ رہی ہیں جن میں کہا جاتا ہے کہ ہم ترکی کو اسلام سے علیحدہ کر کے قبول کرسکتے ہیں' حالانکہ قومی سطح پر یہ بات ہوچکی ہے کہ "میرے اسلام کو تم قصہ ماضی سمجھو"۔ ۱۹۲۴ء سے ۱۹۹۲ء تک ۵۸ سال گزر چکے ہیں کہ دستور میں یہ دفعہ شامل چلی آرہی ہے کہ یہ ایک لادینی جمہوریہ ہے جس کی لادینیت کی حفاظت کے لئے فوج موجود ہے اور ان دفعات میں اگر کوئی تبدیلی کرنے کی کوشش کی گئی تو فوراً دخل اندازی کرے گی۔ پھر عام عدالتوں میں مقدمہ نہیں چلے گا بلکہ دستور کے متعلق مخصوص عدالتیں ہیں جو ان تین دفعات میں تبدیلی کی کوشش کے جرم پر مقدمہ سنیں گی۔ اس طریقے سے انہوں نے سیکولرازم کو مستحکم کیا ہے۔ لیکن مغرب کو ان کا یہ سیکولرازم بھی قبول نہیں

سقوط خلافت کے مراحل

اب ہم دیکھتے ہیں کہ خلافت کے خاتمے کے عمل میں چار برس کے دوران کیا مراحل پیش آئے۔ اس سلسلے میں فیصلہ کن عامل ۱۹۱۱ء کی جنگ بلقان تھی۔ سپینگلر کا فلسفہ تاریخ یہ ہے کہ جس طرح ایک فرد بچپن' جوانی اور بڑھاپے کے مراحل سے گزرتا ہے اسی طرح قومیں اور تہذیبیں بھی بڑھتی ہیں' جوان ہوتی ہیں اور پھر بوڑھی ہوجاتی ہیں۔ ترکی میں ۱۲۸۸ء سے آج تک سلطنت ایک ہی نسل میں چل رہی ہے۔ ہمارے یہاں کی طرح نہیں ہوا کہ انگریز آگئے اور حکومت کا خاتمہ ہوگیا بلکہ پہلی جنگ عظیم کے بعد بھی ترکی کا ملک برقرار رہا۔ اس لحاظ سے بہرحال اس ملک پر بڑھاپا آچکا تھا چنانچہ اسے یورپ کا مرد بیمار کہا گیا۔ تاہم یہ بوڑھا بھی اتنا طاقتور نکلا کہ پہلی جنگ عظیم کے بعد لوگوں نے دیکھا کہ اس خاکستر کے اندر کتنی چنگاریاں موجود تھیں یہ بایں ہمہ جنگ بلقان میں ترکی کو پے درپے شکستیں ہوئیں اور سارے یورپی علاقے اس کے ہاتھوں سے نکلتے چلے گئے۔

اس کا ایک رد عمل ہوا اور نوجوان ترکوں خاص طور پر ترک فوج کے نوجوانوں نے "ینگ ٹرکس" کے نام سے ایک تحریک چلائی۔ انہوں نے یہ سمجھا کہ ہمارے زوال' کمزوری اور ضعف کا اصل سبب مذہب' سلطانی اور خلافت ہیں۔ لہٰذا پہلا قدم ۱۹۲۰ء میں اٹھایا گیا یعنی عظیم قومی اسمبلی (Grand National Assembly) قائم کردی گئی۔ سلطان اور خلیفہ بھی موجود رہے لیکن ساتھ ہی اسمبلی بھی قائم کردی گئی جیسا کہ انگلستان میں بادشاہ بھی موجود ہے لیکن پارلیمنٹ کی بالادستی ہے۔ اسی طرح جاپان میں بھی ہے۔

اسمبلی بنانے کے بعد سلطان کے اختیارات محدود کردئے گئے۔ سلطان اور خلیفہ برقرار رہا لیکن اصل طاقت اسمبلی کے پاس آگئی۔ اس کے نتیجے میں کشمکش شروع ہوئی۔ ظاہر بات ہے سلطانوں کے پاس اتنا عرصہ مکمل اختیارات رہے تھے تو یہ کڑوی گولی آسانی سے حلق سے نیچے کیسے اترتی۔ ۱۹۲۲ء میں انہوں نے سلطان کا منصب ختم کردیا لیکن خلیفہ کا منصب قائم رکھا اور عبدالحمید کو معزول کر کے عبدالمجید کو خلیفہ بنا دیا۔ اس کی حیثیت برائے نام تھی اور گویا کہ خلیفہ کو پوپ کی حیثیت دینے کی کوشش کی گئی تاکہ کم سے کم ایک علامت ہی باقی رہے۔ یہ معاملہ بیک جنبش قلم نہیں ہوا۔ ترکوں نے بھی کوشش کی تھی کہ خلافت کا ادارہ علامت کے طور پر برقرار رہے اور عالم اسلام کی وحدت کا کم سے کم ایک نشان تو قائم رکھا جائے لیکن خلیفہ عبدالمجید نے بھی کچھ پرپرزے نکالنے اور اندر ہی اندر ریشہ دوانیاں کرنے کی کوشش کی تو پھر ۱۹۲۴ء میں خلافت کو بھی موقوف کردیا گیا۔ وہ دستور نافذ کردیا گیا جس کی پہلی تین دفعات ناقابل تغیر اور ابدی قرار دی گئیں اور ان کے خلاف تو گویا بات کرنا بھی بغاوت قرار دیا گیا ہے۔ یہ وہ ادوار ہیں جن سے خلافت کا ادارہ گزرا ہے۔

ترکی میں احیائے اسلام

اب میں یہ بتانا چاہوں گا کہ رواں صدی کے کسی دوراہے میں اسلام کا ایک عالمی احیائی عمل شروع ہوا اور یہ عمل انڈونیشیا سے مراکش تک ظاہر ہوا۔ اسی میں مصر کی اخوان المسلمون جیسی عظیم جماعت' برصغیر کی عظیم تبلیغی جماعت اور مختلف ملکوں کی متعدد جماعتیں وجود میں آئیں

۔ اب سوال یہ ہے کہ ترکی میں بھی اس کے کوئی آثار ہیں یا نہیں ؟۔ پہلی بات تو یہ کہ سطح پر اس کے کوئی آثار ہمیں نظر نہیں آئے ۔ چونکہ ہمارا زیادہ وقت استنبول میں گزرا اس لئے خاص طور پر وہاں کے بارے میں تو کہا جاسکتا ہے کہ اسلام کے احیاء کے لئے کوئی جدوجہد ' کوشش' تنظیم یا آرگنائزیشن نظر نہیں آئی تاہم معلوم ہوا کہ ایسی کوئی چیز موجود ضرور ہے ۔ چونکہ دستور میں انہیں آزادی حاصل نہیں اس لئے کھلی کھلی تو کوئی تحریک ہو نہیں سکتی ۔ میں نے محسوس کیا کہ ہمیں خدا کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ اس ارض پاکستان میں ہمیں جتنی آزادی حاصل ہے وہ شاید پورے عالم اسلام میں کہیں حاصل نہیں ۔ پھر اللہ کا یہ جتنا بڑا احسان ہے اتنی ہی بڑی ہماری ناشکری ہے کہ ہم اس کا مناسب استعمال نہیں کررہے ۔ ہم نے مذہب کو انتخابی سیاست کا مسئلہ بنا لیا ہے اور اس طرح وہ ادھر سے ادھر لڑھکنے والا فٹ بال بن گیا ہے یا ایک آلہ کار اور اس بات کے بھی آثار موجود ہیں کہ اسلام کے نام پر دہشت گردی کی تحریکیں شروع ہوجائیں۔ اللہ اس سے ہمیں محفوظ رکھے ۔ یہ دونوں طریقے مقصد کی طرف لے جانے والے نہیں ۔ انتخابات کے لئے اسلام کا استعمال یا اس کے نام پر دہشت گردی دو انتہائیں ہیں ۔ ہمیں پورے عالم اسلام کے مقابلے میں یہاں جو انتہا درجے کی آزادی میسر ہے اس پر ہمیں خاص طور پر اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے ۔ یہاں کوئی روک ٹوک نہیں ' چاہے آپ انقلاب کی بات کریں چاہے ایسا ہی کوئی اور نظریہ پیش کریں ۔ پابندی ہے تو بس یہ کہ امن و امان کی صورت حال متاثر نہیں ہونی چاہیے اور اگر کوئی میدان میں آئے تو پرامن مظاہروں کی شکل میں آئے ۔ ان حالات میں ناقدری فی الحقیقت ہماری طرف سے ہے ۔

ترکی میں یہ آزادی نہ ہونے کی وجہ سے سطح پر اگرچہ کوئی احیائی عمل نظر نہیں آتا لیکن معلوم ہوتا ہے کہ کہیں نہ کہیں یہ موجود ضرور ہے ۔ دوسری اہم بات یہ کہ سیاسی سطح پر وہاں بھی ایک وقت آیا تھا کہ نجم الدین اربکان کی اسلامی جماعت ابھری ۔ پھر وہ سیکولر جماعتوں میں سے ایک نسبتاً" بہتر جماعت کے ساتھ اتحاد کر کے حکومت میں آگئی ۔ گویا کہ وہاں بھی ایک طرح کی آئی جے آئی بنی تھی ۔ لیکن وہ جماعت بری طرح ناکام ہوئی اور اب وہ سیاسی اعتبار سے بہت نیچے جاچکی ہے اور مستقبل قریب میں سیاسی میدان میں اس کے ابھر کر آنے کا کوئی امکان نظر نہیں آتا ۔ البتہ نوجوانوں میں کچھ لوگ نظر آرہے ہیں اور وہ بھی بالخصوص صوفیوں کے حلقوں میں۔ ایسے ایک حلقے میں مجھے بھی جانے کا اتفاق ہوا اور میں نے نوجوانوں کا جوش و خروش اور جذبہ دیکھا ہے لیکن وہ بہت خاموش ہیں اور زیر سطح کام کررہے ہیں ۔ وہ اس سطح پر نہیں آرہے کہ اعلانیہ اسلام کے لئے کام کریں ۔ تاہم ان کی خاموشی میں مجھے طوفان مضمر نظر آرہا ہے اندیشہ یہی ہے کہ جب بھی کبھی وہاں ہوا ' ایک دھماکہ ہوگا جیسے ۱۹۷۹ء میں سعودی عرب میں ہوا تھا جب کچھ لوگوں نے حرم شریف پر قبضہ کیا کیونکہ وہاں کوئی اور راستہ موجود ہی نہیں ۔ آئندہ بھی کبھی ہوگا تو دھماکہ ہی ہوگا۔ ایک دھماکہ ناکام ہوگیا' ضروری نہیں کہ ہر دھماکہ ناکام ہو۔ ان میں سے کوئی کامیاب بھی ہوسکتا ہے ۔ اس وقت تو وہ ناکام ہوئے اور ان کی گردنیں اڑا دی گئیں لیکن تھے وہ سب کے سب بہت پکے سلفی اور مذہبی لوگ اور محمد ابن عبدالوہاب کی تحریک کے درحقیقت صحیح وارث ۔

ترکی میں خلافت کا احیاء؟

اندیشہ یہ ہے کہ ترکی میں بھی جب آیا ایسا ہی کوئی طوفان آئے گا لیکن فی الحال اس کے کوئی آثار نہیں ۔ البتہ ایک پڑھے لکھے پاکستانی نے جو تقریباً بیس برس سے ترکی میں آباد ہیں ' وہیں ایک ترک خاتون سے شادی بھی کی ہے اور تقریباً ۱۹۵۸ء سے میرے جاننے والے ہیں ' ایک عجیب انکشاف کیا ۔ انہوں نے بتایا کہ فری میسن تحریک بھی چاہتی ہے کہ اب ترکی میں دوبارہ خلافت کا اجراء ہوجائے ۔ آپ حیران ہونگے ' میں بھی یہ سن کر حیران ہوا ۔ وہ حضرت ان حلقوں میں گھومتے پھرتے ہیں اور جانتے ہیں ۔ میں نے ذرا غور کیا تو ان کی بات سمجھ میں آگئی ۔ صیہونی چاہتے یہ ہیں کہ ترک خلافت کو دوبارہ قائم کریں تاکہ اس کے ذریعے سیکولرازم کو پورے عالم اسلام میں ایک منظم ادارے کی حیثیت سے پیش کرسکیں اور اسے اپنا آلہ کار بنائیں ۔ اس پس منظر میں میں نے وہاں خلافت کے بارے میں اپنی بات بالکل کھل کر کی ہے ۔ مجھے تو کوئی ڈر نہیں تھا۔ زیادہ سے زیادہ مجھے ایک دن پہلے ملک سے نکال دیتے اور اگلے روز تو مجھے آنا ہی تھا ۔ میں نے وضاحت سے بات کی اور یہ بھی کہا کہ خلافت کو ختم کرنے والا اصل میں مصطفیٰ کمال نہیں تھا بلکہ یہودی تھے ۔ مصطفیٰ کمال خود فری میسن تھا ۔ اسی لئے علامہ اقبال نے وہ بات کہی جو انتہائی معنی خیز ہے کہ ۔

چاک کردی ترک ناداں نے خلافت کی قبا
سادگی اپنوں کی دیکھ اوروں کی عیاری بھی دیکھ

صیہونی سازش

مصطفیٰ کمال کو اقبال نے ترک ناداں کہا کہ اس نے سادگی میں یہ حرکت کی ورنہ عیاری کسی اور کی تھی ۔ اس نے کسی اور کے آلہ کار کی حیثیت سے کام کیا جسے استعمال کرنے والے فری میسن تھے ۔ فری میسن ایک یہودی تحریک ہے ۔ وہ اب اس خیال کو وہاں پر پھیلانا چاہ رہی ہے کہ ترک دوبارہ خلافت کے مدعی بن کر سامنے آجائیں کہ خلافت تو ہماری شے ہے ۔ آپ کو معلوم ہوگا کہ میں دو سال پہلے سپین گیا تھا جس کے بعد برطانیہ بھی گیا ۔ اس زمانے میں راولپنڈی کے ایک نوجوان بھی آکسفورڈ گئے تھے جہاں ان سے نوجوان طلبا نے کہا کہ یہ ڈاکٹر اسرار خلافت کا نام کیوں لے رہا ہے ؟ ۔ یہ نوجوان مولانا سعید احمد خان جو ایک عالم ہیں ' حیران ہوئے ۔ یہ پچھلے سال کی بات ہے اور جب وہ حج پر گئے تھے جس کے بعد انہوں نے برطانیہ کا سفر کیا ' اس وقت تک تو میں نے خلافت کا نام بھی نہیں لیا تھا۔ میں نے اسی حج سے واپس آنے کے بعد یہ بات کی اور وہ حج سے فراغت پاکر سیدھے برطانیہ چلے گئے تھے ۔ وہاں ان سے یہ سوال مجھے حیران کرگیا ۔ اندازہ کیجئے کہ یہودی ہمارے حالات سے کس درجے واقف ہیں ' انہیں معلوم تھا کہ اب خلافت کا نام عالم اسلام میں ابھرنے لگا ہے ۔ چنانچہ انہوں نے سوچا ہے کہ اس سے پہلے کہ یہ نام نمایاں ہو کر کسی اور ملک میں آجائے ' کیوں نہ اس ملک کے ذریعے اس پر قبضہ کرلیا جائے جو علی الاعلان ایک لادینی (Secular) ریاست ہے ۔ پوپ کی حیثیت سے خلیفہ کو عالم اسلام پر مسلط کردیا جائے تاکہ اس کے ذریعے سے سیاسی فائدے اٹھائے جاسکیں ۔ بہرحال یہ ایک واقف حال کی روایت ہے جو میں نے آپ کو سنا دی ۔ اگرچہ اس کی توجیہ (Rationale) میری سمجھ میں آگئی لیکن یہ

(باقی صفحہ ۱۸ پر)

مہاجریت مسلمانی کی نفی کرنے لگے تو ضرور قابل گرفت ہے

گزارش احوال واقعی

ایم کیو ایم کے غم میں صفحے کالے کرنے والے کوئی اور ہوں گے

محمد نسیم الدین

اپنے پچھلے شمارے میں ہفت روزہ زندگی لاہور نے ایک مکتوب نگار کے ذریعے ہماری "مہاجر قومیت" کا جو انکشاف کیا' اس کا فی البدیہہ جواب تو عرض کردیا گیا تھا جو مختصراً اس لئے رکھنا پڑا کہ اپنے چھوٹے سے پرچے میں ہمیں اس کے لئے جگہ ہی اتنی دستیاب ہوئی لیکن محترم سید نسیم الدین نے کراچی سے مدیر زندگی کے نام ایک خط کے ساتھ جو وضاحت انہیں بھیجی ہے وہ ہمارے قارئین کی نظر سے ضرور گزرنی چاہیے۔ سید نسیم الدین کی طرح ہم سب اول آخر مسلمان ہیں بلکہ "پاکستانی مسلمان" ---- کہ ملت جغرافیائی ٹکڑیوں میں بٹ گئی ہے تاہم یاد رہے کہ خود سید صاحب نے ملک خداداد کو اپنی آرزوؤں' امنگوں کا مرکز بنانے کے لئے اپنے وطن بہار کو خیرباد کہا تھا۔

ہمارے پرچے میں شائع ہونے والے وہ تجزیئے شاید ان حضرات کی نظر سے نہیں گزرے جن میں ایم کیو ایم کی حرکات کا بروقت نوٹس لیا جاتا رہا ہے۔ ہاں' یہ ضرور ہے کہ اس کی دراز دستیاں برداشت کرتے ہوئے تنظیم اسلامی نے واویلا نہیں کیا۔ ہمارے دفتر کے بورڈ اتار کر غائب کردئے گئے' ہم نے پورے ملک میں بے روک ٹوک چھوٹے چھوٹے جلسے کرکے حد درجہ متانت اور وقار کے ساتھ اپنا پیغام لوگوں تک پہنچایا لیکن کراچی میں اپنے ہر پروگرام کو ایم کیو ایم کے چیلنج کے بعد منسوخ کرنے پر مجبور ہوئے کیونکہ دنگا فساد ہماری سرشت میں نہیں' ایک ہی بار جب میدان میں اترے تو سر سے کفن باندھ کر آئیں گے' ان شاء اللہ۔ کراچی کے بعض حصوں میں ہمیں اپنے دفتر تک نہیں کھولنے دئے گئے لیکن ہم ان کی گالیاں کھا کر بے مزا نہ ہوئے اور جواب میں دعائیں ہی دیں۔ ہم ایم کیو ایم کی عدیم المثال دہشت گردی میں شریک نہیں بلکہ اس کے شکار ہوئے جس کی براہ راست ذمہ داری وفاقی اور صوبائی حکومتوں پر آتی ہے اور سچ یہ ہے کہ ذمہ داری کا بیشتر بوجھ جناب صدر اور موجودہ وزیراعظم پر ہے۔ تاہم کل ایم کیو ایم کو کندھوں پر اٹھا کر ناچنے والے سیاستدانوں اور صحافیوں کا طرز عمل ہمارے لئے قابل اتباع نہیں جو اب شہری سندھ کے تمام مہاجروں کو مذمت کی ایک ہی لاٹھی سے ہانکنے پر آگئے ہیں۔

ہم سے اپنے بھی نالاں ہیں اور بیگانے بھی ناخوش تو اس لئے کہ ہم نے مہاجروں کے حق میں بھی خدا لگتی کہی اور سندھیوں کی شکایات بھی اہنائے وطن کو ٹھنڈے دل سے سننے کی دعوت دی۔ کیا "استحکام پاکستان اور مسئلہ سندھ" نامی کتاب کے ذریعے جو امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کی شاہکار تصانیف میں سے ہے' سندھ کا مقدمہ لڑنے والے ہم ہی نہ تھے؟۔ اس کتاب کو وسیع پیمانے پر پھیلایا گیا ہے۔ پھر لاہور میں سیمینار منعقد کرکے اور سندھی دانشوروں کو بسیار منت و سماجت کے بعد ان میں لاکر دل کی باتیں کہنے پر آمادہ کرنے کی خدمت بھی تو مرکزی انجمن خدام القرآن اور تنظیم اسلامی نے ہی انجام دی۔ لیکن ہم کسی پر احسان نہیں دھرتے۔ جو کچھ کیا ملک کی بقاء و سلامتی اور اس میں دین کی سرفرازی کے لئے کیا اور آئندہ بھی تائید الٰہی سے ہمارا لائحہ عمل یہی ہوگا۔ (مدیر)

معاصر جریدے زندگی میں "اسرار اقتدار برادران" کے عنوان سے جناب اخلاق الرحمٰن عاجز صاحب کا موچی دروازے لاہور سے ایک مراسلہ شائع ہوا ہے جس میں انہوں نے ندائے خلافت اور بقول ان کے "اسرار اقتدار برادران" پر سخت برہمی کا اظہار کیا ہے۔

اگر یہ عاجز اس برہمی کی وجہ سمجھنے سے "عاجز" ہے تو یہ اس کی کم فہمی ہے۔ لیکن کیا ہی اچھا ہوتا اگر عاجز صاحب ندائے خلافت کے اس شمارے کی تاریخ بھی درج کردیتے جس میں بقول ان کے "ایم کیو ایم کے غم میں صفحے کالے ہیں" تو شاید یہ عاجزی دور ہوجاتی۔ جہاں تک مجھے علم ہے کسی جریدے کا ادارتی نوٹ ہی اس کی پالیسیوں کا ترجمان ہوتا ہے اور مجھے یاد نہیں پڑتا کہ مدیر ندائے خلافت جناب اقتدار احمد صاحب نے اپنے کسی ادارتی نوٹ میں ایم کیو ایم کے غم میں کوئی ایک صفحہ بھی کالا کیا ہو۔ ہاں اگر عاجز صاحب ان مراسلوں کے مندرجات پر برہم ہیں جو مختلف اہل قلم نے اپنے طور پر حالات کے تجزیئے کے نتیجے میں تحریر کئے ہیں تو اسرار اقتدار برادران پر اس کا نزلہ گرنا بڑی زیادتی والی بات ہوگی۔

عاجز صاحب ہمیں اسلام کا ترجمان اور اسلامی اقتدار کا پاسبان سمجھتے رہے تو بالکل درست سمجھتے رہے۔ اللہ ہمیں اس پر قائم رکھے۔ لیکن اگر انہوں نے ہمارے اندر "مہاجریت" پائی ہے تو اس کی کچھ نشان دہی بھی فرما دیتے۔ اسرار اقتدار برادران کی کسی تحریر یا تقریر کا کوئی حوالہ ہی ہوتا۔ دعوے کے لئے کوئی دلیل بھی تو ہونی چاہیے۔ ویسے اسلام کے نام پر بننے والے وطن کو دارالکفر ہندوستان سے ہجرت کرنے والا تو مہاجر ہی کہلائے گا اور اس میں مہاجریت تو ہوگی ہی۔ ہاں یہ اس وقت ضرور قابل گرفت ہوگی اگر یہ مہاجریت "مسلمانیت" کی نفی کرنے لگے۔ الحمد للہ کہ اب تک تو اسرار اقتدار برادران نے وطن عزیز میں اس اسلام کے غلبے کی جدوجہد کی ہے جس کے نام پر یہ ملک بنا تھا۔

عاجز صاحب نے فرمایا ہے کہ "اگر ان حضرات کو اسلام کی شرم نہیں تو اس پاکستان ہی کی شرم کرلیں جس نے ان کو پناہ دی۔ اس پنجاب ہی کی شرم کرلیں جو اب تک ان کا بوجھ اٹھا رہا ہے"۔ ہمارے ان ہی خیالات نے تو مسلم قومیت تو دور کی بات ہے پاکستانی قوم کو بھی ہوا میں تحلیل کردیا ہے۔ اور "خانہ خالی را دیوی گیرد" کے مطابق قومیتوں نے اس کی جگہ لے لی جس کے

محترم جناب مجیب الرحمٰن شامی صاحب
السلام علیکم و رحمتہ اللہ و برکاتہ
مزاج گرامی

آپ کے جریدے "زندگی" میں (جلد ستمبر شمارہ ۱۹ر) کسی اخلاق الرحمٰن عاجز صاحب کا مراسلہ بعنوان "اسرار اقتدار برادران" شائع ہوا جس کے مطالعہ سے قارئین میں کچھ غلط فہمیوں کے پیدا ہونے کا احتمال ہے۔ ہر چند کہ یہ مدیر ندائے خلافت بھائی اقتدار احمد کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس کا جواب دیں لیکن چونکہ مسئلہ زیر بحث کا تعلق سندھ سے ہی جڑتا ہے لہٰذا احقر نے بھی اپنا حق استعمال کرنے کی جرأت کی ہے تاکہ قارئین کو تصویر کا دوسرا رخ بھی پیش کیا جاسکے۔ میری گذارش ہی نہیں بلکہ صحافتی دیانت کا تقاضا سمجھ کر بھی اگر آپ منسلک مضمون کو اپنے کسی قریبی جریدے میں جگہ دے دیں تو عین نوازش ہوگی۔

ایک بات آپ سے ضرور عرض کرنی تھی کہ کسی شے کو اس کے اصل مقام سے ہٹا کر کسی اور جگہ رکھ دینا ظلم کے زمرے میں آتا ہے اور "بنام زندگی" کا صفحہ ہوتے ہوئے بھی فاضل مراسلہ نگار کے مراسلے کو کسی اور جگہ نمایاں مقام پر شائع کر کے آپ نے انصاف سے کام نہیں لیا۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو سوء ظن سے محفوظ رکھے۔ آمین۔

والسلام مع الاکرام
احقر محمد نسیم الدین
ناظم تنظیم اسلامی حلقہ سندھ و بلوچستان۔ کراچی

نتیجے میں ہمارا ملک فتنہ و فساد کی آماجگاہ بنا ہوا ہے۔ عاجز صاحب کو کس اسلام نے یہ سبق دیا ہے کہ مہاجروں کو جو اپنا سب کچھ قربان کر کے اس دار السلام میں ہجرت کرنے پر آمادہ کیا' پناہ گزیں کے لقب سے نوازا جائے اور کس اسلام کی یہ تعلیم ہے کہ کوئی صوبہ کسی کا بوجھ اٹھا سکتا ہے۔

گو کہ ہندوستان سے پاکستان کو ہجرت کو مکمل طور پر اس ہجرت پر منطبق تو نہیں کیا جاسکتا جو آج سے چودہ سو سال قبل ہوئی تھی لیکن اسلام کے نام پر بننے والے ملک کی طرف ہجرت کو اس کا پرتو ضرور قرار دیا جاسکتا ہے۔ یہ تو مستشرقین کی زبان استعمال کرنے والی بات ہے جو مدینہ کو ہجرت کو مدینہ کو فرار سے تعبیر کرتے ہیں۔ آپ ہی اپنی اداؤں پر ذرا غور کریں۔ مزید یہ کہ اسلام تو اولاد کے بارے میں بھی جس کے لئے والدین اپنی توانائیوں کا بیشتر حصہ صرف کرتے ہیں' تعلیم دیتا ہے کہ "ہم (اللہ) انہیں بھی رزق دیتے ہیں اور تمہیں بھی"۔ مومن کو تو آخرت میں بھی اپنا بوجھ خود ہی اٹھانا ہے چہ جائیکہ وہ زندگی میں کسی صوبے پر بوجھ بن جائے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ "مہاجر مہاجر کے نعرے لگانے والے لوگوں کی عزتوں اور زندگیوں سے کھیلیں اس کے لئے پاکستان ہرگز نہیں بنایا گیا تھا"۔ اور ایسے ایسے لوگ واقعی قابل گردن زدنی ہیں۔ پاکستان تو اس لئے بنایا گیا تھا کہ ہم دنیا کو اسلام کے اصول حریت و اخوت و مساوات کا ایک عملی نمونہ دنیا کے سامنے پیش کرسکیں لیکن کیا ہم نے وہ منزل حاصل کرلی؟۔ ہم اسلام اسلام کے نعرے لگانے والوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کئے گئے وعدے کی خلاف ورزی کی جس کے نتیجے میں بد ترین منافقت ہمارے اندر سرایت کرچکی ہے۔ کاش کہ اپنے اس وعدے کی تکمیل کا آج بھی خلوص نیت کے ساتھ عزم کرلیں تو قومیتوں کے ان غباروں سے خود بخود ہوا نکل جائے۔ اسرار اقتدار برادران لوگوں کو اسی بھولی ہوئی منزل کا راستہ تنظیم اسلامی کے پلیٹ فارم سے دکھانے کی تگ و دو میں لگے ہوئے ہیں۔ عاجز صاحب اگر تنظیم اسلامی کے لٹریچر کا مطالعہ فرمائیں اور اس جدوجہد کی تفصیل جان لیں جس میں ڈاکٹر اسرار احمد اور ان کے رفقاء لگے ہوئے ہیں تو انہیں یہ بھی پتہ چل جائے گا کہ ہمارا اسلام کسی لسانی عصبیت کی بھینٹ نہیں چڑھا۔ ہم عاجز صاحب کو دعوت دیتے ہیں کہ اسلامی نظام عدل اجتماعی کے قیام کی اس جدوجہد میں ہمارے ساتھ تعاون فرمائیں کہ جب تک ایسا نہیں ہوتا یہ آپس کی بدگمانیاں جنہوں نے اب نفرتوں کی شکل اختیار کرلی ہے ختم نہیں ہوسکتیں۔

اصل میں عاجز صاحب کا اسرار اقتدار برادران کے بارے میں سوء ظن صرف اس لئے ہے کہ وہ (عاجز صاحب) ہمارے ملک کی صحافتی چلن ہی کے عادی ہیں اور ہماری صحافتی برادری کی اکثریت کا دھندا یا تو کسی گروہ کی حمایت اور دوسرے کی مخالفت یا دوسرے کی حمایت اور پہلے کی مخالفت پر چل رہا ہے۔ انہیں تمام گروہوں میں خرابیاں ہی خرابیاں نظر آتی ہیں' خوبیاں بالکل نظر نہیں آتیں۔ الحمد للہ کہ "ندائے خلافت" کا یہ چلن نہیں ہے کیونکہ اس کا اجراء نفع و نقصان کے کاروباری میزانیہ پر نہیں۔

وہ تو حقیقت حال لوگوں تک پہنچانے کا ذمہ دار ہے چاہے مضمون نگار کا مضمون کسی کی حمایت میں لکھا گیا ہو یا مخالفت میں تاکہ قارئین خود کسی نتیجے پر پہنچ سکیں۔ ایم کیو ایم کے بارے میں پہلے بھی ندائے خلافت میں مضامین چھپ چکے ہیں جس کے مطالعہ سے ہمارے اس دعویٰ کی صداقت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ اس دعا کے ساتھ اس تحریر کا اختتام کررہا ہوں کہ اے اللہ ہمیں حق کو سمجھنے اور اس کے اظہار کی توفیق عطا فرما اور باطل کو باطل سمجھنے اور اس سے پرہیز کی توفیق عطا فرما۔ آمین

بوسنیا کے مسلمانوں میں سے جو لوگ لڑتے مرتے سرحد تک پہنچنے میں کامیاب ہوجاتے ہیں تاکہ بیوی بچوں کو کسی محفوظ ٹھکانے پر پہنچا کر جنگ جاری رکھنے کے لئے واپس آجائیں' انہیں سرب فوجی سرحد پر روک کر ملحقہ عارضی قید خانوں میں محبوس کردیتے ہیں اور بھوک پیاس کی مار بھی دیتے ہیں۔ پھر ان سے مطالبہ کیا جاتا ہے کہ اپنی غیر منقولہ املاک عیسائی پڑوسیوں کے نام لکھ دیں۔ جو لوگ یہ مطالبہ تسلیم کر کے اپنی جائیداد سے دست بردار ہوجاتے ہیں انہیں سرحد پار کرنے کی اجازت دے دی جاتی ہے اور انکار کرنے والوں کو وہیں گولیوں سے بھون دیا جاتا ہے۔ اس انداز میں اب تک مسلمانوں کی املاک کا ایک قابل ذکر حصہ "قانونی طور پر" عیسائیوں کو منتقل ہوچکا ہے اور غیر منقولہ مال و متاع کی لوٹ کا تو ظاہر ہے کہ کوئی حساب ہی نہیں۔

گوجرانوالہ میں تحریک خلافت کی سرگرمیاں

وقائع نگار

لیاقت باغ گوجرانوالہ کے مجوزہ جلسہ خلافت میں محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب اچانک شدید علالت کے باعث شریک نہ ہوسکے۔ البتہ جلسہ حسب پروگرام منعقد ہوا۔ جلسے کی صدارت تحریک خلافت حلقہ گوجرانوالہ ڈویژن کے کنوینر شیخ امجد انعام صاحب نے فرمائی۔ جلسہ گاہ کو تحریک کے کارکنوں نے خوبصورت بینرز سے سجایا تھا جن میں نظام خلافت کی برکات کو بیان کیا گیا تھا۔

جلسہ کا آغاز حافظ محمد مشتاق صاحب کی تلاوت قرآن مجید سے ہوا۔ تحریک کے ایک کارکن نے اپنی خوبصورت آواز میں نعت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم پیش کی۔ اس کے بعد تحریک کے پرجوش مقرر جناب مرزا ندیم بیگ نے نظام خلافت کی ضرورت و اہمیت پر اظہار خیال کیا۔ انہوں نے کہا کہ ہمارے تمام مسائل کا حل' نظام خلافت کا قیام ہے اور ہم اس وقت تک ظلم کی چکی میں پستے رہیں گے جب تک اس باطل نظام کو ختم کرکے نظام خلافت کو قائم نہیں کرتے۔

ان کے خطاب کے بعد تحریک کے اہم ساتھی جناب محمد امین شاد صاحب نے دلوں کو گرمادینے والی نظم پڑھی۔

ہم دین محمدؐ کے وفادار سپاہی
مرجائیں گے ایمان کا سودا نہ کریں گے

ان کی نظم کے بعد تحریک خلافت پاکستان کے ناظم اعلیٰ جناب عبدالرزاق صاحب نے حاضرین سے خطاب کیا۔ انہوں نے فرمایا کہ نظام خلافت کے قیام کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ظلم و استحصال پر مبنی جاگیردارانہ اور سرمایہ دارانہ نظام ہے۔ نظام خلافت کے قیام کے لئے ہمیں ایک تربیت یافتہ اور منظم قوت کی صورت اختیار کر کے موجودہ باطل نظام کو چیلنج کرنا ہوگا۔ نظام خلافت میں تمام شہریوں کی بنیادی ضروریات غذا' لباس' رہائش' تعلیم' علاج وغیرہ کی ذمہ داری حکومت اٹھاتی ہے اور ان اخراجات کو پورا کرنے کے لئے حکومت کے پاس نظام زکوٰۃ کے صحیح نفاذ' جاگیرداری نظام اور سودی نظام کے خاتمے سے کثیر مقدار میں سرمایہ جمع ہوسکتا ہے۔

ناظم اعلیٰ تحریک خلافت پاکستان کے بعد انجمن خدام القرآن فیصل آباد کے صدر ڈاکٹر عبدالسمیع صاحب نے خطاب فرمایا۔ انہوں نے کہ کہ اگر ہم نے نظام خلافت کو پاکستان میں قائم نہ کیا تو ہم اللہ سے کئے ہوئے وعدے کی خلاف ورزی کے مجرم ہونگے۔ انہوں نے مزید کہا کہ عراق اور لیبیا کے بعد پاکستان امریکی نیو ورلڈ آرڈر کا نشانہ ہے۔ ہم صرف نظام خلافت کو قائم کرکے ہی اللہ کی تائید و نصرت کے مستحق بن سکتے ہیں اور امریکہ کے نیو ورلڈ آرڈر کا مقابلہ بھی اسی طرح کیا جاسکتا ہے۔

آخر میں دعا پر جلسے کا اختتام ہوا۔ ساڑھے تین سو سے زائد حضرات نے پورے سکون کے ساتھ جلسے کی کارروائی کو سنا۔ ناظم اعلیٰ تحریک خلافت پاکستان نے اپنی تقریر کے آغاز ہی میں محترم ڈاکٹر صاحب کی اچانک شدید علالت کی اطلاع حاضرین کو دے دی تھی اور ان سے موصوف کی جلد صحت یابی کے لئے دعا کی درخواست بھی کی تھی۔ لیکن اس کے باوجود جو لوگ بھی جلسے میں تشریف لاچکے تھے ان میں سے کوئی بھی واپس نہیں ہوا۔ البتہ کچھ حضرات جلسہ گاہ کے باہر ہی سے یہ معلوم کر کے کہ ڈاکٹر صاحب محترم تشریف نہیں لارہے' واپس ہوتے رہے۔

اگلے روز جامع مسجد زینت سال انڈسٹریز اسٹیٹ میں خطبہ جمعہ جناب عبدالرزاق صاحب ناظم اعلیٰ تحریک خلافت نے دیا۔ انہوں نے سورۃ بقرہ کے تیسرے رکوع کی پہلی آیت اور چوتھے رکوع کی پہلی آیت کے حوالے سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ مسلمانوں کے تعلق "اللہ کا بندہ ہونے اور اللہ کا خلیفہ ہونے" کے حوالے سے عائد ہونے والی ذمہ داریوں کی وضاحت کی۔

بعد نماز عصر تنظیم اسلامی و تحریک خلافت حلقہ گوجرانوالہ ڈویژن کے دفتر کا باقاعدہ آغاز کردیا گیا اور سوال و جواب کی نشست بھی ہوئی اس دفتر میں تنظیم اسلامی و تحریک خلافت سے متعلق جملہ لٹریچر اور آڈیو و ویڈیو کیسٹس مہیا کی گئی ہیں جو استفادے کے لئے حاصل کی جاسکتی ہیں۔ مزید برآں اس دفتر میں ہر جمعہ کو صبح نو بجے محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے حالیہ ریکارڈ شدہ قرآن حکیم کے منتخب نصاب کے دروس آغاز سے سلسلہ وار بذریعہ وڈیو کیسٹ دکھانے کا اہتمام کیا جارہا ہے۔ اس سلسلے کا پہلا درس ان شاء اللہ ۱۲ر اگست بروز جمعہ صبح ۹ بجے دکھایا جائے گا۔ پون گھنٹے کے درس کے بعد سوال و جواب کی نشست بھی ہوگی۔ اس دفتر کا پتہ حسب ذیل ہے۔

دفتر تنظیم اسلامی و تحریک خلافت پاکستان
حلقہ گوجرانوالہ ڈویژن
۱۵۔ اے سمال انڈسٹریز اسٹیٹ نمبرا
مین جی ٹی روڈ گوجرانوالہ فون ۴۳۵۴۰

کوپن برائے سالانہ ر ششماہی ر سہ ماہی خریداری

میں ہفت روزہ "ندائے خلافت" کا سالانہ ر ششماہی ر سہ ماہی خریدار بننا چاہتا ہوں ر چاہتی ہوں
۔ براہ مہربانی درج ذیل پتہ پر پرچہ جاری کردیجئے۔ زر تعاون کی رقم مبلغ ---------- روپے
بذریعہ منی آرڈر ارسال خدمت ہے۔

نام .....

پتہ .....

نوٹ: (رقم ہفت روزہ "ندائے خلافت" ۳۶ کے ماڈل ٹاؤن لاہور کے پتہ پر ارسال کی جائے)

ناظم حلقہ سندھ و بلوچستان کا دورۂ کوئٹہ

محمد سمیع کراچی

ناظم سندھ و بلوچستان کا دوسرا دورۂ بلوچستان ۲۴ر جولائی ۹۲ء کو شروع ہوا' اس دورہ کا عمومی مقصد بلوچستان کے رفقاء سے ملاقاتیں کر کے انہیں اپنی ذمہ داریوں کی یاد دہانی اور خصوصی طور پر ماہ اگست میں مجوزہ جلسہ عام کے بارے میں مقامی نظم سے تبادلہ خیالات تھا کیونکہ یہ جلسہ عام تحریک خلافت پاکستان کے ضمن میں رابطہ عوام کی ایک شکل ہوگی۔

آسانی یہ ہوگئی کہ ۲۴ر جولائی سے مقامی نظم نے ناظم حلقہ کے مشورے سے ایک دو روزہ پروگرام ترتیب دیا ہوا تھا۔ ناظم حلقہ محمد نسیم الدین صاحب ۲۴ر جولائی دوپہر بارہ بجے سے عشاء کی نماز تک اس پروگرام میں شریک رہے لہٰذا رفقاء سے ملاقات کا ایک اچھا موقع ہاتھ آگیا۔ ناظم حلقہ نے اپنے خطاب میں رفقاء کی ذمہ داریوں' ان کے باہمی تعلقات اور نظم بیعت کے موضوعات کا احاطہ کیا۔ اس اجتماع میں حاضری بھرپور رہی اور ۱۴ رفقاء نے اس میں شرکت کی۔

اجتماع میں شریک رفقاء کے علاوہ ناظم حلقہ نے چند اور اصحاب سے ۲۵ر جولائی کے روز انفرادی ملاقاتیں کیں' جناب محمد فاروق مبتدی رفیق سے ہمنگی میں' چودھری محمد یوسف صدر انجمن خدام القرآن سے ان کے گھر پر' سلطان صاحب سے دفتر میں' بدہ کی جامع مسجد کے پیش امام و خطیب جناب مولانا رحمت اللہ صاحب سے ان کے حجرے میں اور رشید احمد اور محمد امین صاحبان سے ان کے گھروں پر۔ ۲۶ر جولائی کو ناظم حلقہ نے رفیق تنظیم قاری شاہد اسلام بٹ سے ان کے گھر پر ملاقات کی۔ سندھ و بلوچستان کے اساتذہ کا ایک سیمینار ان دنوں کوئٹہ میں ہو رہا تھا' اس میں شریک نور محمد چنہ صاحب' سلطان احمد چنہ صاحب اور سولنگی صاحب سے بھی ناظم حلقہ نے ملاقاتیں کیں اور ان سے اسلامی انقلاب کے لئے لائحہ عمل کے موضوع پر گفتگو ہوئی۔ یہ حضرات جیکب آباد کے رہنے والے ہیں چنانچہ جناب اصغر علی عباسی صاحب کو لکھا گیا ہے کہ ان سے رابطہ رکھیں۔

الحمد للہ کہ ناظم حلقہ نے جن مقاصد کے لئے یہ سفر اختیار کیا تھا' ان میں سے بیشتر پورے ہوئے۔ کوئٹہ کے رفقاء میں اللہ کی توفیق سے غلبہ دین کی اس جدوجہد کے لئے نیا عزم ابھرا ہے۔ ان سے تبادلہ خیالات کے بعد مندرجہ ذیل فیصلے کئے گئے۔

۱)۔ ۲۱ر اگست کا جلسہ عام جس میں امیر محترم کی شرکت متوقع تھی' کوئٹہ کے غیر یقینی حالات' دفعہ ۱۴۴ کے نفاذ اور وقت کی کمی کے باعث ملتوی کردیا جائے۔ امیر محترم سے تبادلہ خیال کے بعد اکتوبر میں اس جلسہ کا پروگرام بنایا جائے گا۔

۲)۔ موجودہ دعوتی اجتماع جو ہر جمعہ کو ساڑھے نو تا ساڑھے گیارہ بجے تنظیم کے دفتر میں ہوتا ہے اسے ایک نئے عزم اور ولولے کے ساتھ شروع کیا جائے۔ اس سلسلے میں ہینڈ بل کے ذریعہ رفقاء اپنے اعزا و اقرباء اور حلقہ احباب میں دعوت پہنچائیں اور انہیں اس اجتماع میں شمولیت کی دعوت دیں۔ قاری شاہد اسلام بٹ صاحب اس اجتماع میں منتخب نصاب پر مبنی درس قرآن کا اہتمام فرمائیں۔

۳)۔ دوسرے رفقاء کو بھی درس قرآن کی تیاری کے لئے تربیت دی جائے۔ محبوب سبحانی صاحب تنظیمی اجتماعات میں درس دیا کریں۔

۴)۔ زیارت کے بشیر صاحب سے مسلسل رابطہ رکھا جائے اور آئندہ دورہ کے دوران دو روزہ پروگرام زیارت میں ترتیب دیا جائے۔

۵)۔ بدہ کی جامع مسجد کے خطیب مولانا رحمت اللہ صاحب کو میثاق اعزازی طور پر جاری کیا جائے اور ممکن ہو تو دو روزہ پروگرام ان کی مسجد میں رکھا جائے۔

۶)۔ مطالعہ لٹریچر کو مذاکرہ کی صورت دی جائے۔

۷)۔ جمعہ کے اجتماعات میں مساجد میں چھوٹے کتبے لگائے جائیں۔

۸)۔ تنظیم اسلامی کا بورڈ ہر رفیق اپنے گھر پر آویزاں کرے۔

۹)۔ جناب غلام نبی قریشی صاحب ملتزم رفیق چونکہ ریلوے گارڈ ہیں لہٰذا انہیں تنظیم اسلامی کا لٹریچر زیادہ سے زیادہ فراہم کیا جائے تاکہ وہ ریل گاڑیوں میں تقسیم کرواسکیں۔

ناظم حلقہ نے ہر دوسرے ماہ کوئٹہ کے دورے کا عزم کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ان کی صحت بحال رکھے تاکہ وہ اپنی صلاحیتیں اسکی راہ میں کھپا سکیں۔ ○○

خود ساختہ بوسنیا سرب حکومت کے وزیر اطلاعات ولبراستاجک کا کہنا ہے کہ "عیسائی یورپ کیوں ہمارے خلاف ہے' ہم تو اسی کا دفاع کر رہے ہیں۔ عیسائی لبنان اور قبرص ہاتھ سے جاچکا ہے' آرمینیاؤں کا صفایا ہو رہا ہے۔ مسلمانوں کے پاس دولت ہے' اپنا نظریہ ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ افرادی قوت ہے"۔ استاجک نے مزید "انکشاف" کیا کہ ایک ایسی "مسلم گزرگاہ" بنانے کا نقشہ تیار کیا گیا تھا جس سے بوسنیا' البانیہ' بلغاریہ کی ترک اقلیت اور خود ترکی ایک دوسرے تک رسائی حاصل کر لیتے۔ انہوں نے اعداد و شمار کی مدد سے یہ بتانا چاہا کہ زیادہ شرح پیدائش کے سبب ۲۰۰۰ء تک بوسنیا میں مسلمانوں کی ناقابل تردید اکثریت ہوجاتی۔ "فرانس کا پہلے ہی مسلمانوں کی وجہ سے ناک میں دم ہے' یورپ کو اس خطرے کا احساس ہی نہیں یا پھر وہ سمجھ رہا ہے کہ (بوسنیا کے صدر علی جا) عزت بیگووچ کو قابو کر لے گا مگر تب تک بہت دیر ہوچکی ہوگی۔ اسلام ایک مرتبہ گھس آئے تو واپس لوٹ کر نہیں جاتا"۔ انہوں نے مزید کہا "مذہبی جنگوں میں اندھا دھند قتل و غارت تو ہوگی"۔

صلیب پر حضرت عیسیٰؑ کا چھوٹا سا مجسمہ گلے میں لٹکائے سرب سپاہی کہتے ہیں کہ انہیں یہ تحریک آرتھوڈکس عقیدہ سے ملی ہے جبکہ سرب بچے انہیں دیکھ کر بڑے فخر سے تین انگلیوں سے مقدس تثلیث کا اشارہ کرتے ہیں۔

بقیہ تجزیہ

معاشرہ میں ایک ذہنی ' ایمانی اور اخلاقی انقلاب برپا کرکے برسر اقتدار آسکے۔

ضیاء صاحب اس طرح برسر اقتدار نہیں آئے تھے اس لئے ان سے ایسی توقعات رکھنا فضول تھا اور لوگوں نے توقعات رکھیں تو لوگوں کا یہ قصور نہیں تھا۔ لوگ نا امید ہونے کی بجائے امید باندھنے پر مائل رہتے ہیں اور جہاں سے بھی آس نظر آتی ہے ' وہاں وہ خوش فہمیوں کا شکار ہوجاتے ہیں۔ یہ کام تو سیاسی اور دینی جماعتوں کا تقاضا تھا کہ وہ اپنی بھیڑوں کو یکجا رکھتے' ان کی توقعات قائم رکھتے تاکہ ان کی نگاہ اور کوشش ایک صحیح جدوجہد پر مرکوز ہوتی۔ اگر ایسا نہیں ہوسکا تو صدر ضیاء الحق کو الزام دینا غلط ہے۔ ضیاء نہ ہوتے کوئی اور ہوتا تو شاید ان سے بھی برا ہوتا۔

○○

بقیہ خطبہ جمعہ

ضمانت نہیں دے سکتا کہ یہ بات واقعی درست بھی ہے۔ واللہ اعلم!--

بوسنیا کے مقہور مسلمان

اب میں چند باتیں بوسنیا ہرزیگووینا کے بارے میں بتانا چاہتا ہوں۔ پندرھویں صدی میں مسلمانوں نے یورپ کا جو حصہ فتح کیا اس میں یہ بھی شامل تھا۔ اس علاقے میں عیسائیوں کا ایک خاص فرقہ آباد تھا۔ اس کے دس لاکھ افراد نے ایک ہی دن میں اسلام قبول کیا۔ خلافت عثمانی کے پورے عرصہ میں کبھی کسی کو جبراً مسلمان نہیں بنایا گیا اور یہ بات اسلام کے اصولوں کے عین مطابق ہے۔ اسلام کے اصول کو عام طور پر لوگ سمجھتے نہیں۔ دشمن تو کہتے ہیں یہ تلوار کے زور سے پھیلا ' ہمارے جو اپنے ہیں وہ دفاع کرتے ہیں کہ نہیں نہیں' تلوار سے نہیں پھیلا حالانکہ بات بیچ کی درست ہے۔ دشمن کی بات بھی صد فی صد غلط نہیں کیونکہ اسلام طاقت استعمال کرنے کی اجازت نہیں ' حکم دیتا ہے۔ نظام باطل کو ختم کرنے کے لئے طاقت استعمال کی جاتی ہے لیکن کسی فرد کو مذہب تبدیل کرنے پر مجبور نہیں کیا جاتا۔ "لا اکراہ فی الدین" تم ہندو ' پارسی ' عیسائی ' یہودی رہتے ہو تو رہو لیکن اللہ کے ساتھ ہماری وفاداری کا تقاضا یہ ہے کہ طاقت اگر ہے تو ہم اسے استعمال کرکے دین اسلام قائم کریں۔ چنانچہ پوری اسلامی تاریخ میں جبراً کسی کو مسلمان نہیں بنایا گیا اور خلافت عثمانی کا یہ خاص طور پر ایک بہت اہم خاصہ رہا ہے۔ بلکہ ایک سلطان غالباً" سلطان محمد فاتح کے بارے میں مشہور ہے کہ اس نے جو مسجد بنائی اس کے ساتھ کلیسا بھی بنایا تھا۔

تاریخی پس منظر

یورپ میں اس وقت عیسائیوں کے دو فرقوں کے درمیان بڑی رسہ کشی تھی۔ ابھی نیا فرقہ پروٹسٹنٹ ازم نمایاں نہیں ہوا تھا لیکن رومن کیتھولک اور گریک آرتھوڈاکس تھے جن کے مابین باقاعدہ ایک خانہ جنگی کا معاملہ رہا جبکہ ہمارے ہاں شیعوں اور سنیوں کے مابین ایسی کوئی خانہ جنگی نہیں ہوئی۔ اس پورے علاقے کا مذہب گریک آرتھوڈاکس تھا جو رومن کیتھولک سے متصادم تھا اور اس کے ماننے والوں نے جب بھی موقع آیا ' رومن کیتھولک کے خلاف عثمانیوں کا ساتھ دیا۔ اس لئے کہ انہیں مسلمانوں نے پوری آزادی اور عزت دی تھی۔ وہی بات جو میں نظام خلافت کے بارے میں کہتا ہوں کہ غیر مسلموں کی جان مال اور عزت و آبرو محفوظ ہوگی اور مذہبی آزادی کی پوری گارنٹی اسلامی حکومت دے گی۔ ان کی عبادت گاہیں مسجدوں کی طرح محترم ہوں گی۔

ترکوں نے اسی رواداری کا مظاہرہ کیا تھا اور اسی لئے ان میں خلافت کا تسلسل رہا۔ وہ خود خاصے پکے مسلمان تھے ' بڑی بڑی عالی شان مسجدیں تعمیر کیں ' نماز روزے کے بے حد پابند تھے اور ان کے سلاطین میں بڑے بڑے علماء گزرے ہیں۔ صرف ایک خاص بات ان کی تاریخ میں تھی کہ جو ملک بھی فتح کرتے تھے اس سے فوج میں نوجوانوں کی ایک جبری بھرتی لیتے تھے۔ اس فوج کو (جینی سری) کہتے تھے۔ وہ نوجوان آکر جب تربیت کے مراحل سے گزرتے تو ان میں سے اکثر مسلمان ہوجاتے تھے ' جبراً نہیں بلکہ مسلمانوں کی معاشرت اور برتاؤ کو دیکھ کر یا پھر کچھ نہ کچھ مفاد بھی نظر آتا ہوگا۔ اس جبری بھرتی کے بارے میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ اسلام کے اصولوں سے کچھ متصادم تھی اس لئے کہ غیر مسلموں سے فوج کی ملازمت جبری نہیں کرائی جاسکتی۔

اسی زمانے میں بوسنیا کے دس لاکھ عیسائی اسلام میں داخل ہوئے اور بلقان میں اب یہی مسلم اکثریت کا علاقہ رہ گیا ہے۔ انہوں نے بڑی مشکل سے آزادی حاصل کی ہے اور یوگوسلاویہ کی دوسری نو آزاد جمہوریاؤں کی طرح مسلم اکثریت رکھنے والی یہ ریاست بوسنیا ہرزیگووینا بھی ہے لیکن دو جمہوریائیں تلی ہوئی ہیں کہ یہاں سے مسلمانوں کا نام و نشان مٹا دیا جائے۔ آئی ایم اے کے اس کنونشن میں زغرب سے ایک ڈاکٹر صاحب بھی آئے تھے جو طب کے پروفیسر ہیں ' ڈاکٹر عزت۔ انہوں نے وہاں کے جو حالات بتائے وہ بہت ہی افسوسناک ہیں۔

مسلمان حکومتوں کی بے حسی

اس سے زیادہ افسوسناک بات یہ ہے کہ عالم اسلام بحیثیت مجموعی سویا ہوا ہے۔ اتنی حکومتوں میں سے کوئی بھی ان کی مدد کے لئے تیار نہیں۔ اس پر آپ کسی اور رد عمل کا اظہار کریں یا اسے ایک اچھی بات سمجھیں لیکن واقعہ بہرحال یہ ہے کہ اب تک بڑھ چڑھ کر ان کی حمایت کرنے والا اور ان کے حق میں بولنے والا واحد مسلم ملک ایران ہے۔ شیعیت سے آپ کو کتنا ہی اختلاف کیوں نہ ہو ' حقائق آپ کو ماننے چاہیں۔ اس وقت دنیا میں اگر کہیں کوئی ذکر آتا ہے تو ایران کا۔ چنانچہ ڈاکٹر عزت نے بتایا کہ ایران کا ایک جمبو جیٹ طیارہ وہاں اسلحے سے بھر کر آیا اور اسلحہ کی یہ مدد انہیں صرف ایران نے دی ہے۔ سعودی عرب نے کچھ پیسے کی مدد دی حالانکہ اس نے امریکہ کے ذرا سے اشارے پر اربوں ڈالر روس اور دوسرے تیسرے ممالک کو پیش کردئے تھے۔

سب سے زیادہ افسوسناک بات یہ ہے کہ اگرچہ ترکی کی سب سے زیادہ ذمہ داری تھی کیونکہ یہ ان کا ایک سابقہ علاقہ ہے اور انہی کے دور عروج میں یہ لوگ مسلمان ہوئے پھر قریب ترین مسلم حکومت بھی ترکی ہے لیکن ترکی نے مدد بھی دی تو ریڈ کراس کے ذریعے دی اور وہ مدد جو ریڈ کراس کے ذریعے سے دی جاتی ہے ' دشمن عیسائیوں تک تو پہنچ جاتی ہے ' مسلمانوں تک نہیں پہنچتی۔ مزید افسوسناک امر یہ کہ پاکستان نے بھی اس معاملے میں کوئی پیش رفت نہیں کی۔ ہماری کوئی مدد اب تک ریکارڈ پر نہیں۔ ○○

کرنے کا کام شروع کردیا گیا۔

رٹ درخواست میں سابق رجسٹرار نے کہا ہے کہ وزیراعلیٰ پنجاب نے ابتدائی کارروائی کرتے ہوئے پنجاب ہائی ویز اتھارٹی کے ڈائریکٹر کامران رسول کو براہ راست درخواست دہندہ کی ہاؤسنگ سوسائٹی کی تحقیقات کے لئے مقرر کیا۔ یہ رپورٹ ۱۸ جنوری ۹۱ء کو وزیراعلیٰ (مدعا علیہ نمبر ایک) کو پیش کی گئی پھر سول سروس کے ملازم عبدالستار کو درخواست دہندہ کے خلاف بیان دینے پر مجبور کیا گیا جس پر ہاؤسنگ سوسائٹی کی بھاری رقم خورد برد کرنے کا الزام تھا اور جس کا وہ اعتراف کرچکا ہے۔ مزید یہ کہ محکمہ کو آپریٹو نے اسے معطل بھی کررکھا تھا۔ اسی طرح ۳۰ جنوری ۹۰ء کو راولپنڈی کے ایک اسسٹنٹ رجسٹرار کو آپریٹو سوسائٹیز کو لاہور بلا کر اس سے درخواست دہندہ کے خلاف بیان دلوایا گیا۔ ان تمام اقدامات کے نتیجہ میں ۳۰ جنوری ۹۰ء تک صوبائی وزیراعلیٰ درخواست دہندہ کے خلاف صرف ایک الزام تلاش کرنے میں کامیاب ہوئے جو یہ تھا کہ درخواست دہندہ نے ہاؤسنگ سوسائٹی کا رجسٹر تبدیل کردیا تھا۔ اس واقعہ کا گواہ عبدالستار اور صداقت علی کو بنایا گیا جبکہ موخر الذکر سوسائٹی کے غبن میں عبدالستار کا حصے دار تھا اور اسے اس بنا پر سوسائٹی سے الگ کردیا گیا تھا۔ ان تمام واقعات کے پیش نظر درخواست دہندہ نے وزیراعلیٰ سے ملاقات کا وقت مانگا۔ جنوری ۹۱ء کو وزیراعلیٰ نے ملاقات سے انکار کردیا تاہم یکم فروری کو اسے اپنے دفتر طلب کیا۔ درخواست کے مطابق وزیراعلیٰ نے درخواست دہندہ کو دھمکی دی کہ اس نے میری مرضی کے مطابق امور سرانجام نہ دیئے تو اسے ملازمت سے برخواست کیا جاسکتا ہے۔ مدعا علیہ نمبر ایک کا پہلا تقاضا یہ تھا کہ وہ سروسز کو آپریٹو کے خلاف اپنی سمری واپس لے۔ مدعا علیہ کا موقف تھا کہ چونکہ اس نے اس پر ابھی کوئی "مارک" نہیں کیا اس لئے اس سمری کو واپس لینا آسان ہے۔ درخواست دہندہ نے ایسا کرنے سے انکار کردیا اور اپنے الزام کی صحت سے انکار کیا۔ اس پر وزیراعلیٰ مشتعل ہوگئے اور سخت کارروائی کی دھمکی دی۔

۲ر فروری کو وزیراعلیٰ نے وفاقی حکومت سے زبانی طور پر درخواست دہندہ کے خلاف کارروائی کی اجازت حاصل کی جو کہ ۳ فروری کو تحریری طور پر بھی آگئی۔ اس کے بعد مدعا علیہ نے درخواست دہندہ کو رجسٹرار کے عہدہ سے تبدیل کرنے کا حکم جاری کردیا۔ اس حکم کی درخواست دہندہ سے اسی روز رات پونے دو بجے تعمیل کرائی گئی۔ درخواست میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ بعد میں مدعا علیہ کو احساس ہوا کہ محض ایک الزام کی بنیاد پر یہ کارروائی مناسب دکھائی نہیں دیتی اس لئے مزید الزامات تیار کرنے کے لئے مختلف شعبوں سے ریکارڈ منگوایا گیا۔ رٹ کے مطابق درخواست دہندہ کے خلاف بدنیتی کا ثبوت یہ ہے کہ مارچ ۹۱ء میں غبن میں ملوث عبدالستار کو اسسٹنٹ رجسٹرار کو آپریٹو سوسائٹیز راولپنڈی لگا دیا گیا اور اس کے ساتھی صداقت علی کے خلاف غبن کیس کی کارروائی روک دی گئی۔ ۱۳ر فروری کو وفاقی حکومت نے درخواست دہندہ کے خلاف انکوائری کمیٹی تشکیل دی اور چیف سیکرٹری پنجاب کو تحقیقاتی افسر بنایا گیا جو صوبائی وزیراعلیٰ کا ماتحت افسر ہے اور ہر بات میں وزیراعلیٰ کی خوشنودی اور مرضی کا تابع ہے۔ رٹ درخواست میں کہا گیا ہے کہ درخواست دہندہ کے خلاف کوئی فرد جرم جاری نہ کی گئی اس پر اس نے وفاقی حکومت کو ۲ درخواستیں دیں کہ یہ تحقیقات وفاقی حکومت کے کسی افسر کے ذریعے کرائی جائیں۔ جواب نہ ملنے پر میں نے ہائی کورٹ سے رجوع کیا اور عدالت نے ۳۱ مارچ ۹۱ء کو تحقیقات روکنے کا حکم دیا اور رٹ درخواست پر پیرا وائز کمنٹس طلب کئے اس پر مدعا علیہ نے فوراً ایک فرد جرم تیار کی اس پر ۲۵ مارچ کی تاریخ ڈالی گئی اور ایک خصوصی قاصد کے ذریعے درخواست دہندہ کو وصول کرائی گئی۔ درخواست میں کہا گیا ہے کہ اس عرصے کے دوران کو آپریٹو سیکنڈل عوامی نوعیت کا مسئلہ بن گیا اور دباؤ کے تحت وزیراعلیٰ نے ۲۰ مارچ ۹۱ء کو ذوالفقار اعوان کی سوسائٹی کے خلاف تحقیقات کا حکم دیا۔ مگر یہ حکم پریس والوں کی نظر میں آنے کے فوراً بعد واپس لے لیا گیا پھر یہ مسئلہ پنجاب اسمبلی میں اٹھایا گیا۔ ۲۱ مارچ ۹۱ء کو ذوالفقار اعوان نے پریس میں اپنی پوزیشن واضح کرنے کی کوشش کی اور درخواست دہندہ کی رپورٹ میں لگائے گئے الزامات کی تردید کی۔

اس دوران مدعا علیہ اخبارات میں درخواست دہندہ کے خلاف مہم شروع کرچکے تھے اور روزانہ اس کے خلاف بیانات جاری کر رہے تھے۔ عدالت عالیہ کی طرف سے ۳۱ مارچ کے حکم امتناعی کے بعد مدعا علیہ نمبر ایک نے درخواست دہندہ کے خلاف مہم کو بہت تیز کر دیا اور اس کے شوہر کو بھی ملوث کرنے کی کوشش کی گئی جو کہ مدعا علیہ کی کابینہ کا رکن ہے اس پر بھی دباؤ ڈالنے کی کوشش کی گئی۔ رٹ درخواست کے مطابق ستمبر ۹۱ء تک درخواست دہندہ کے خلاف مہم انتہا کو پہنچ گئی' اس پر اور اس کے خاندان والوں پر ناقابل برداشت دباؤ ڈالا گیا اور اسے سیاسی سازشوں میں الجھا دیا گیا۔ درخواست میں کہا گیا ہے کہ مدعا علیہ نے ہر قیمت پر اس کے خلاف ہر طرح کی انتقامی کارروائی کا فیصلہ کرلیا۔ اس صورت حال میں اس کے شوہر پر بھی سیاسی دباؤ بڑھ گیا جس کے نتیجہ میں اس کا سیاسی مستقبل خطرے میں پڑ گیا۔ درخواست دہندہ نے کہا ہے کہ میں ایک شادی شدہ خاتون ہوں اور میرے لئے ازدواجی زندگی اور اپنے شوہر کا سیاسی کیریئر اپنے سے زیادہ اہم ہے۔ چنانچہ اکتوبر ۹۱ء میں وزیراعلیٰ نے درخواست دہندہ کو تجویز پیش کی کہ وہ ہائی کورٹ سے رٹ واپس لے کر مجھ سے معافی مانگ لے' اخبارات میں مدعا علیہ کے خلاف شائع ہونے والے اپنے الزامات واپس لے کر آئندہ مدعا علیہ اور ذوالفقار اعوان کے خلاف کسی عدالتی یا تحقیقاتی کمیشن کے روبرو یا کسی دوسری جگہ کوئی بیان نہ دے تو مدعا علیہ درخواست دہندہ کے خلاف تحقیقات میں اثر انداز نہ ہوگا اور غیر جانبدار رہے گا۔ مزید یہ کہ تحقیقات آزادانہ اور منصفانہ ہوں گی۔ درخواست دہندہ کو ہراساں نہیں کیا جائے گا اور اس کے خلاف مزید کوئی کارروائی نہیں کی جائے گی۔

درخواست میں کہا گیا ہے کہ مدعا علیہ کی طرف سے اس سارے عرصے میں ہراساں کئے جانے کے نتیجے میں میری طبعی اور ذہنی توانائی مضمحل ہوچکی تھی۔ اپنے اور اپنے خاوند پر ڈالے گئے دباؤ کے پیش نظر مجبوری کے تحت مجھے وزیراعلیٰ کی شرائط تسلیم کرنا پڑیں۔ میں نے ہائی کورٹ سے رٹ واپس لے لی اور وزیراعلیٰ کو معذرت بھی پیش کردی۔ رٹ میں اس معافی نامہ کی نقل بھی لگائی گئی ہے۔ رٹ درخواست میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ کوآپریٹو کمیشن نے اسے گواہ کے طور پر طلب نہیں کیا۔ درخواست دہندہ نے بھی کمیشن کے روبرو مدعا علیہ یا ذوالفقار اعوان کے بارے میں کوئی بیان نہیں دیا۔ جب تک عدالتی کمیشن کی کارروائی جاری رہی وزیراعلیٰ نے درخواست دہندہ کے خلاف کارروائیوں کا سلسلہ روک دیا مگر کمیشن کی کارروائی ختم ہوتے ہی اس کے خلاف تحقیقاتی کارروائیاں تیز کردی گئیں جبکہ درخواست دہندہ کو صفائی اور اظہار وجوہ کا موقعہ بھی نہیں دیا گیا۔ درخواست دہندہ کو اندیشہ ہے کہ وہ تحقیقات سے بچ نکلی تو اسے مدعا علیہ کے ہاتھوں نجی طور پر خطرات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ رٹ میں سروش سلطان نے کہا ہے کہ وزیراعلیٰ (مدعا علیہ نمبر ایک) اس وقت سخت سیاسی بحران میں مبتلا ہیں اور ان کی اپنی پارٹی کے ارکان ان کی پالیسیوں پر کھلے عام نکتہ چینی کررہے ہیں۔ مدعا علیہ کے گذشتہ چھ ماہ کے بیانات اور کارروائیاں اس بات کی مظہر ہیں کہ مدعا علیہ کی پالیساں عدم استحکام کا شکار ہیں۔ اب یہ معاملہ اپنے ہی ساتھیوں حتیٰ کہ صوبائی اسمبلی کے سپیکر کے ساتھ "تو تکار" تک بھی جاپہنچا ہے۔ ۳۱ جنوری ۹۲ء کو وزیراعلیٰ کا اپنے ہی ساتھیوں کے خلاف شائع ہونے والا بیان اس بات کا ثبوت ہے۔ رٹ درخواست میں یہ بھی کہا گیا کہ تحقیقاتی کمیٹی جانبداری برت رہی ہے۔ درخواست دہندہ کو اپنے دفاع کے لئے ضروری سرکاری دستاویزات کی نقول نہیں دی گئیں نہ ہی گواہوں پر جرح کی اجازت دی گئی ہے۔ اسے اپنے گواہ بلانے کی اجازت بھی نہیں دی گئی بلکہ اس کے برعکس اس کے خلاف زبانی شہادتیں بھی ریکارڈ کی جارہی ہیں۔ درخواست میں کہا گیا ہے کہ ان وجوہ کی بناء پر اس کے خلاف تحقیقاتی کارروائی' اس کے تبادلے کے حکم اور دوسری معاندانہ کارروائیوں کو روکنے کا آرڈر جاری کیا جائے۔

(بشکریہ روزنامہ جنگ ۱۱ر اگست ۹۲ء)

WEEKLY "NIDA-E-KHILAFAT" LAHORE
36 -K,Model Town Lahore- 54700 Regd:No L. 9184

"خبر کشائی"

میم سین

○ سیاسی وفاداریاں تبدیل کرنے سے جمہوری آئینی عمل مذاق بن جاتا ہے۔ (سپریم کورٹ)

☆ لیکن جمہوری تماشے میں اس سیاسی بازی گری کے بغیر سسپنس کس طرح پیدا ہوگا؟

○ سپیکر کی نشست ابھی خالی نہیں ہوئی۔ (وزیراعلیٰ سندھ)

☆ تو کیا سپیکر صاحب نے سلیمانی ٹوپی پہن رکھی ہے؟

○ نوجوانوں کی اہلیت کی بنیاد پر ملازمتیں دی جائیں گی (وزیراعلیٰ سندھ)

☆ اور پھر سیاسی وابستگی کی بنیاد پر اگلی حکومت انہیں ملازمتوں سے فارغ کردے گی!

○ سندھ میں حالات قابو میں آگئے ہیں۔ آپریشن کے بعد لوگ زیر زمین چلے گئے ہیں ان کا باہر آنا اب مشکل ہوگا۔ (وفاقی وزیرداخلہ)

☆ البتہ حالات کے جن کا پھر سے بوتل سے باہر آجانے کا اندیشہ موجود ہے!

○ جے یو پی اور جے یو آئی میں نشستوں کی بنیاد پر اتحاد ہوا ہے۔ (شاہ فریدالحق)

☆ ہائے' ہماری کج فہمی کہ ہم اسے دین کی بنیاد پر اتحاد سمجھ بیٹھے تھے۔

○ سرکاری شریعت بل کا ڈرامہ دہرانے کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔ (حافظ حسین احمد)

☆ جس ڈرامے میں جان ہی نہ ہو اس کے "نشر مکرر" پر خوف چہ معنی دارد؟

○ درسی کتابوں کی نایابی افسوسناک ہے۔ (بے نظیر)

☆ لیکن آپ کو کیا! آپ کے بچے تو فرانس اور انگلستان میں تعلیم [illegible]

"بنیاد پرستی"

"بنیاد پرستی" ہے مری زیست کا حاصل   کردیتی ہے انسان کی فطرت کو یہ کامل
ہم اس کے وفا کیش ہیں کہتا ہے یہی دل   اغیار ہیں در پردہ اسی خوف سے گھائل

انساں کی آبرو کا قرینہ ہے یہ "بنیاد"
آفات کے دریا کا سفینہ ہے یہ "بنیاد"

اس کے اصول ذات میں اپنی ہیں بے بدل   جاہل بھی اس کے فیض و کرم سے گئے سنبھل
اس سے عدو کے زعم کے سب بل گئے نکل   ہم ہیں رہین کیفیت وعدۂ ازل

ویرانے کو صد رشک بہاراں بنادیا
صحرا کو اپنے نم سے گلستاں بنادیا

پھیلے ہوئے تھے جہل کے بازو سمٹ گئے   بادل فجور و فسق کے چھائے تھے چھٹ گئے
حلقے تمام جور غلامی کے کٹ گئے   ہاتھوں سے اس کے ظلم کے پردے الٹ گئے

تھے خاروخس جو زینت گلزار بن گئے
رشک بہار دشت کے سب خار بن گئے

صحرا نشین جنگ و جدل کا شکار تھے   یہ بت پرست منکر پرودگار تھے
خونریزیوں کی زد میں تھے سینہ نگار تھے   باغی خدا کے مجرم آمرز گار تھے

"بنیاد" ان کو دیں کا قرینا سکھا گئی
انسانیت کے رنگ میں جینا سکھا گئی

ملک عرب میں ایک مسلسل تھا انتشار   فسق و فجور و خمر کو حاصل تھا اقتدار
حرکت میں آیا قدس میں آئین کردگار   دین مبیں کو ہوگیا حاصل یہاں وقار

اس کی اذان عدل کی آواز بن گئی
فوز و فلاح کا ہمہ تن راز بن گئی!

(پروفیسر) اسرار احمد سہاوری

○ نامعلوم افراد اہلیہ کا جہیز اور بہن کا کمپیوٹر لے اڑے۔ (سابق میر کراچی ڈاکٹر فاروق ستار)

☆ اگر لٹ گیا اک نشیمن تو کیا غم' مقامات آہ و فغاں اور بھی ہیں۔

○ نصابی کتب کی نایابی کی تحقیقات کے لئے کمیٹی قائم کردی گئی۔ (وزیراعلیٰ سندھ)

☆ حالانکہ تحقیقاتی کمیٹیوں کی رپورٹوں کی عدم دستیابی کا مسئلہ پہلے سے موجود ہے۔ کیا تعلیمی سال ختم ہونے سے پہلے رپورٹ تیار کرلی جائے گی؟

○ بھٹو نے صحافیوں کو ہتھکڑیاں پہنوائیں' ہم نے پریس کو آزادی دی۔ (وفاقی وزیراطلاعات ونشریات)

☆ یوں کہئے کہ آپ پھانسی کے پھندے سے خوف کھاگئے۔